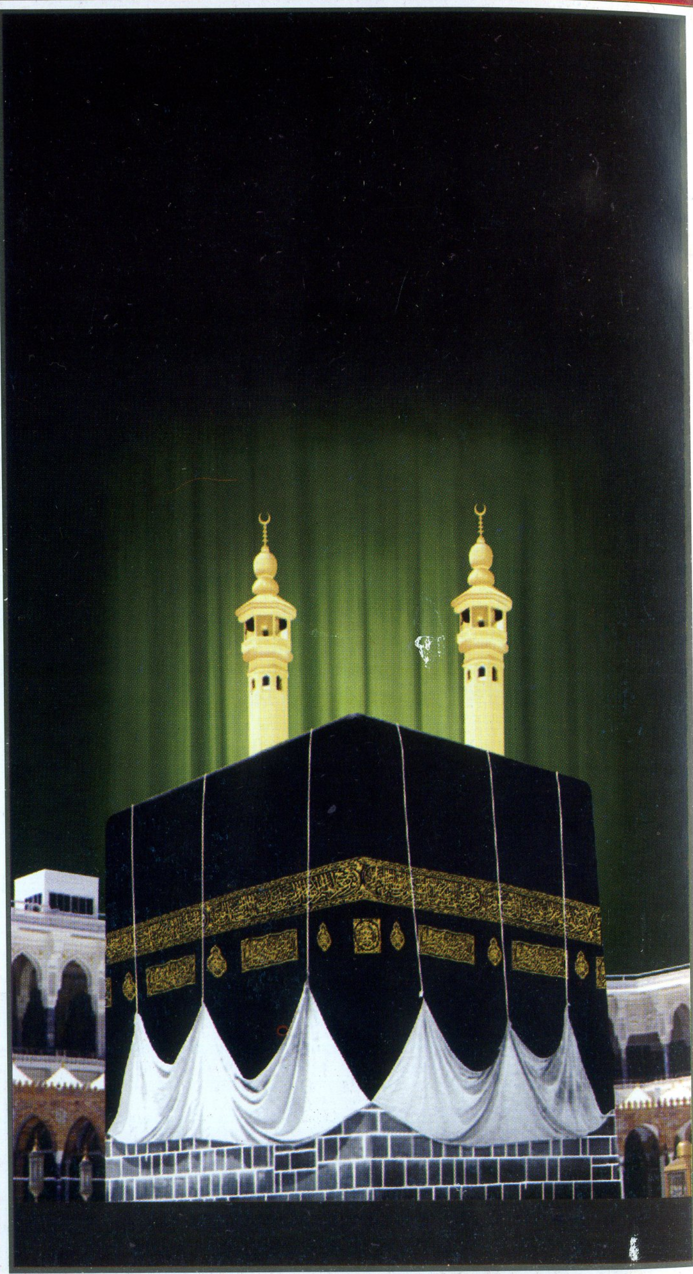
سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ

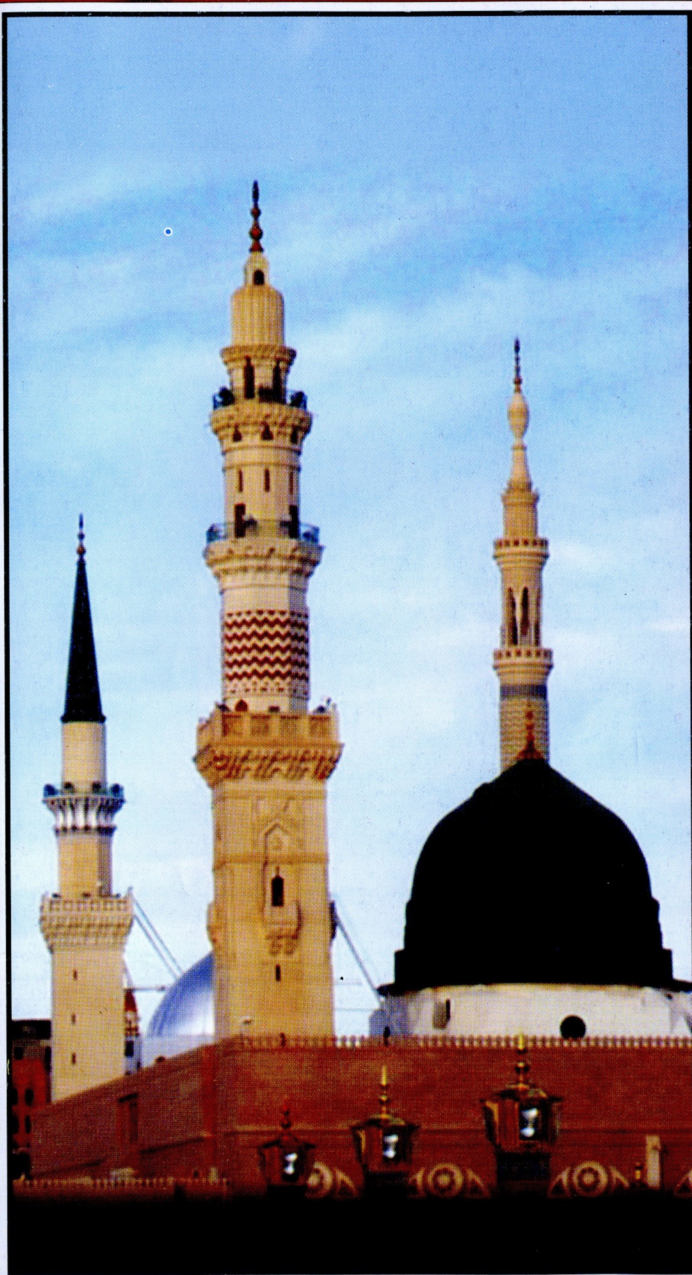
ترتیب و تحقیق و تدوین

محمد منشا تابش قصوری

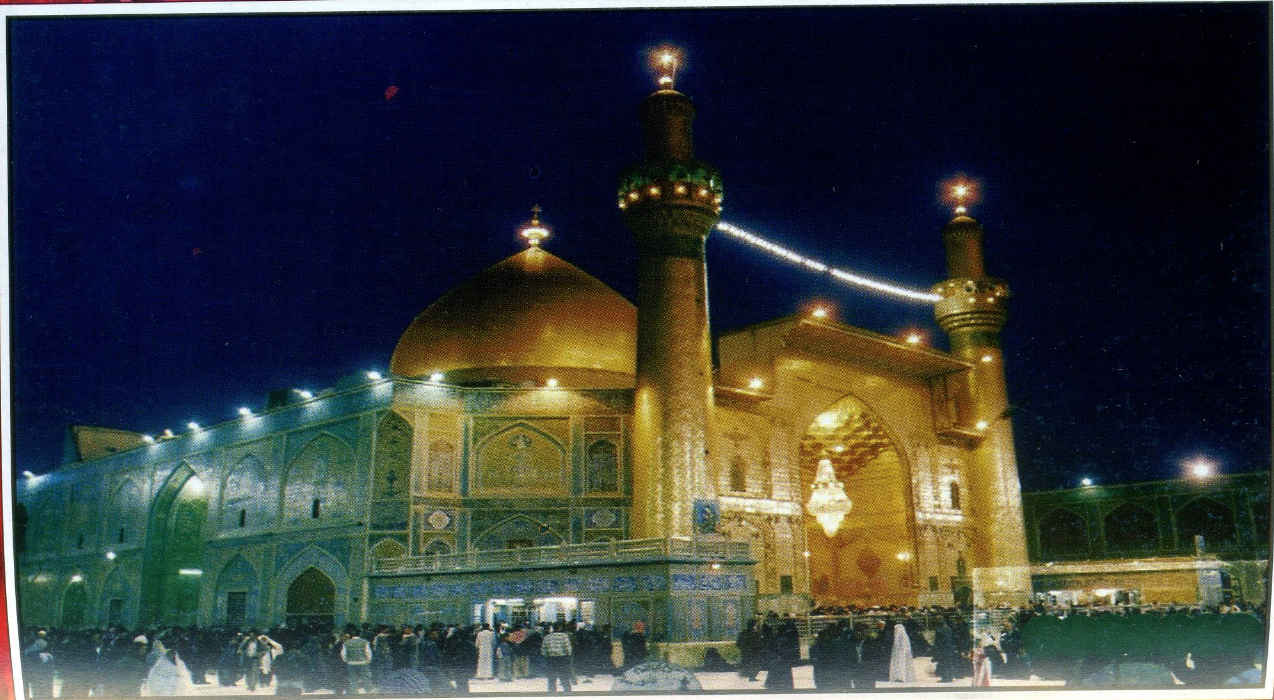
باہتمام

خانقاہ عالیہ قادریہ نوریہ شرقپور شریف

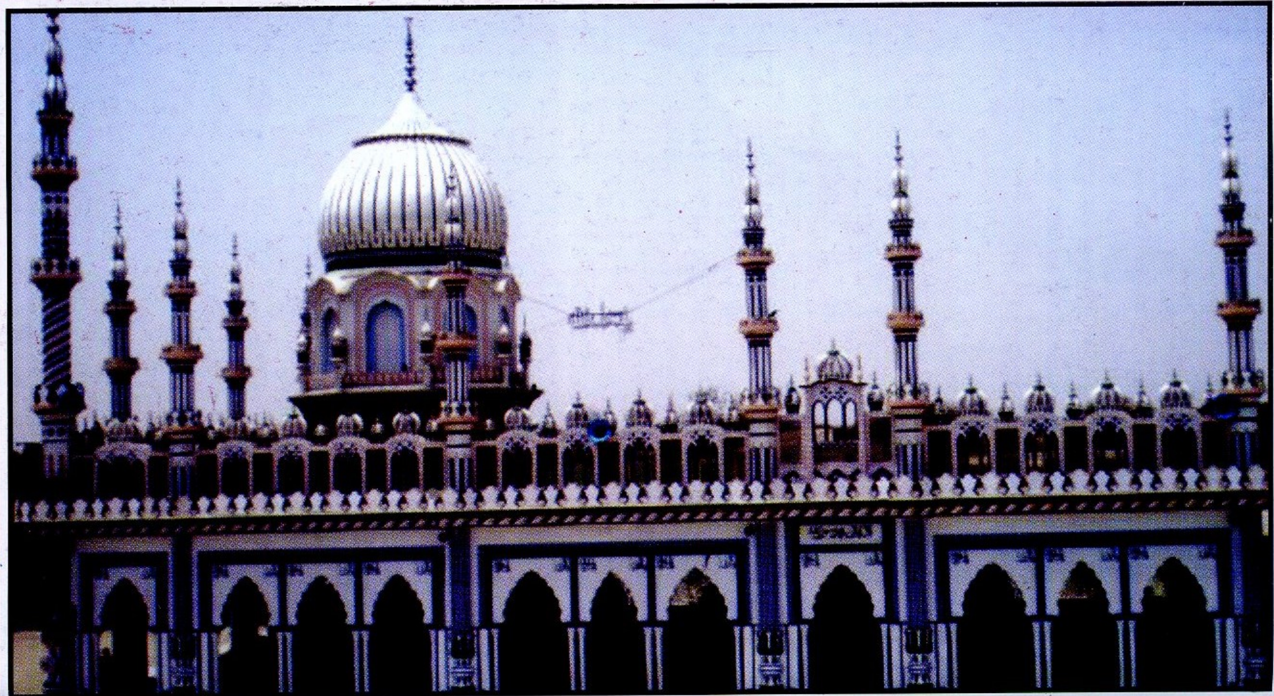




روضۂ مقدسہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)



مزار شریف سید عبداللہ المعروف سید بادشاہ گیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) ۔۔۔سدرہ شریف



سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ

سلسلہ نوری



ترتیب و تدوین

محمد منشا تابش قصوری



ملنے کا پتہ

مکتبہ اشرفیہ بازار مسجد مہاجرین مریدکے ضلع شیخوپورہ

برائے رابطہ ۴۶۸۰۰۲۷ : ۰۳۴۵ / ۸۰۰۲۵۸۵ : ۰۳۰۰

۸۴۹۰۲۳۹ : ۰۳۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ——— سیّدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ
مؤلف و مرتب ——— محمد منشا تابش قصوری
کتابت ——— سلیم الٰہی طالب النوری ایم اے، ایم ایڈ
پروف ریڈنگ ——— مولانا محمد شہزاد شاہد بی اے
فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

● مولانا حافظ محمد مسعود اشرف قصوری ایم اے ایم ایڈ
فاضل جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

اشاعت اوّل ——— ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ / ستمبر ۲۰۱۷ء
باہتمام ——— خانقاہِ عالیہ قادریہ رزّاقیہ سدرہ شریف
(ڈیرہ اسماعیل خان)

ملنے کا پتہ

مکتبہ اشرفیہ بازار مسجد مہاجرین مریدکے ضلع شیخوپورہ

برائے رابطہ ۰۳۰۰:۸۰۰۲۵۸۵ / ۰۳۴۵:۴۶۸۰۰۲۷
۰۳۰۰:۸۴۹۰۲۳۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین



شرفِ انتساب

خلفائے اربعہ و اصحابِ عشرہ مبشّرہ کے نام

حضرت سیدنا ابوبکر صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ ● حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت سیّدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ ● حضرت سیّدنا مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ● حضرت سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

حضرت سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ● حضرت سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت سیّدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ● حضرت سیّدنا عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

بندۂ پروردگارم اُمّتِ احمد نبی ﷺ
دوستدارِ چار یارم تابہ اولادِ علی

مذہب حنفیہ دارم ملّتِ حضرت خلیل
خاکِ پائے غوثِ اعظم زیرِ سایہ ہر ولی

•••

صدّیق عکسِ حُسنِ جمالِ محمّد است
فاروق ظلِّ جاہ و جلالِ محمّد است

عثماں ضیائے شمعِ جمالِ محمّد است
حیدر بہارِ باغ و خصالِ محمّد است

اسلامِ ما اطاعتِ خلفائے راشدین
ایمانِ ما محبّتِ آلِ محمّد است

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم



تہدیہ

مظہرِ اخلاقِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم، وارثِ علومِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

شہزادۂ غوث الورٰی رضی اللہ عنہ، نقیب الاشراف، مرشدِ زماں

مرکزِ استحسان و عرفاں، منبعِ مودّت و محبّت، محسنِ ملّت

رہبرِ شریعت پیرِ طریقت، حضرت الحاج الحافظ پیر

سیّد محمد انور شاہ صاحب قادری گیلانی

دامت برکاتہم العالیہ

زیب سجّادہ آستانہ عالیہ قادریہ رزّاقیہ سدّا شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

اسلامی جمہوریہ پاکستان

کی خدمتِ اقدس میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ ------

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!

طالبِ نگاہِ کرم: محمد منشا تابش قصوری مریدکے ضلع شیخوپورہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سیدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ

نقشِ اوّل

حضرت سیّدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ — مختصر تعارف

نام و نسب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمِّ محترم، امیر المومنین حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کی کنیت ابو طالب ہے اور نامِ نامی اسمِ گرامی عبدِ مناف — حضورِ پُر نور، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے ۳۵ سال قبل دُنیا میں تشریف لائے اور بعثت کے دسویں سال ماہِ شوال میں وصال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر مبارک ۸۴/۸۵ سال تھی۔ اُن کا وصال شعبِ ابو طالب سے باہر آنے کے ۸ ماہ اور ۲۱ دن بعد ہوا۔ آپ کی اولاد کی تعداد ۹ ہے۔

مال کی فراوانی نہ ہونے کے باوجود سرزمین بطحا کے سردار، سیّد، قریش کی سب سے بلند مرتبہ شخصیّت اور مکہ کے رئیس آپ ہی تھے۔

حضرت سیّدنا عبد المطلب کی وصیّت

حضرت سیّدنا عبد المطلب نے جو حضرت ابو طالب کے والدِ ماجد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ بزرگوار ہیں، اپنی وفات سے قبل آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وصیّت فرمادی تھی جس کو آپ نے کمال تک پہنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت فرمائی، نہایت احسن طریقہ سے انہیں پروان چڑھایا اور شام کے تجارتی قافلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے گئے جہاں بحیرا راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مبعوث ہونے کی پیش گوئی کی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد حضرت سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے دو ماہ قبل وصال فرما گئے تھے۔ تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کی کفالت فرمائی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا سنِ مبارک ۸ سال کا ہوا تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت ابوطالب کو آپ کے بارے میں وصیّت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

اُوْصِیْکَ یَاعَبْدَ مُنَافٍ بَعْدِیْ   بِمُوَحَّدٍ بَعْدَ اَبِیْہِ فَرْدٍ

فَارَقَہٗ وَھُوَ ضَجِیْعُ الْمَھْدِ   فَکُنْتُ کَالْاُمِّ لَہٗ فِی الْوَجْدِ

اے نورِ نظر! میں تجھے اِس بچّے کے بارے میں وصیّت کرتا ہوں جو اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا ہے اور (ساری دنیا کے انسانوں سے) منفرد اور ممتاز ہے جب یہ کم سن تھا تو ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، چنانچہ میں اِس بچّے کے لیے ایسا بے چین رہا کرتا تھا جیسے ماں اپنی اولاد کے لیے (بے چین) رہتی ہے۔

سیّدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبّت وعقیدت

حضرت سیّدنا ابوطالب، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے اتنی زیادہ محبّت کرتے تھے کہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا گو آپ زیادہ مالدار نہیں تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آسائش و آرام میں کوئی کمی نہیں ہونے دی۔ اپنے بچّوں سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز رکھتے تھے۔ اُن کے برابر میں ہی سوتے اور جب کہیں جانا ہوتا تو آپ کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

جنابِ ابوطالب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے والدِ ماجد حضرت سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت محبّت تھی، اُن پر اپنی جان چھڑکتے تھے چنانچہ روایت میں ہے کہ بعض اوقات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھ کر جنابِ ابوطالب اپنے مرحوم بھائی

کی یاد میں آنسو بہانے لگتے۔

حضورِ اکرم کی مدد و نصرت

حضرت سیّدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منفرد مدد گار تھے جو اُن کی خاطر قریش کی ہر قسم کی اذیتیں اور ظلم وستم سہتے تھے اور جب تک آپ زندہ رہے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند پہنچا سکے، لیکن جب آپ کا انتقال ہو گیا تو قریش کے لوگوں کی ایذا رسانی نے انتہائی شدّت اختیار کر لی جس کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچّا کو یاد کرتے ہوئے فرمایا:

اے عمِ محترم! آپ کے جانے کے بعد کس قدر جلد ہم مصائب و آلام میں گھر گئے۔

جب خداوند عالم کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ملا کہ کھلّم کھلّا دین کی تبلیغ شروع کر دیں اور آپ نے علی الاعلان، زور و شور سے تبلیغ شروع کی تو قریش کو بہت گراں گزرا اور سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور ایذا رسانی پر کمر بستہ ہو گئے، تو جناب ابو طالب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت کرتے تھے اور دشمنوں کو آپ سے دور کرتے تھے۔

پھر جب قریش نے یہ دیکھا کہ جناب ابو طالب کی مدد و نصرت کی بنا پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کی توہین کر رہے ہیں اور مشرکین کے عقائد و خیالات کا مذاق اڑا رہے ہیں تو اُن کے سر برآوردہ لوگوں نے جناب ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آکر شکایت کی:

اے ابو طالب! آپ کے بھتیجے، ہمارے خداؤں کو بُرا، ہمارے مذہب کو فاسد، ہمیں بے عقل اور ہمارے خیالات کو گمراہ قرار دیتے ہیں، یا تو آپ

انہیں ہمارے حوالہ کریں یا انہیں چھوڑ کر آپ ہمارے درمیان سے ہٹ جائیں۔

اس وقت جناب ابو طالب نے نہایت شائستہ طریقہ سے اُن سے گفتگو کی اور اچھی طرح سمجھا کر واپس کر دیا۔ لیکن اُن لوگوں کے جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زور و شور سے، لوگوں کو دین کی دعوت دیتے رہے ۔۔۔۔ تو سرداران قریش ایک بار پھر جناب ابو طالب کے پاس آئے، انہوں نے دھمکی بھی دی اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے کریں، قوم کی اِس عداوت و مخاصمت سے جناب حضرت ابو طالب کو بہت رنج پہنچا، پھر آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا ماجرا بیان کیا۔ جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، اے چچا جان! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب رکھ دیں تب بھی میں دین کی تبلیغ سے باز نہیں آسکتا۔ انشاء اللہ خدا اس دین کو پھیلائے گا یا میں اس کی راہ میں جان دے دوں گا، یہ سُن کر جناب ابو طالب نے فرمایا:

اے نور نظر! آپ اپنا کام کرتے رہیئے، خدا کی قسم! میں کبھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا، پھر آپ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے:

وَاللّٰہِ لَنْ یَصِلُوْا اِلَیْکَ بِجَمْعِھِمْ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیْنًا

فَانْفُذْ لِاَمْرِکَ مَا عَلَیْکَ مَخَافَۃٌ وَابْشِرْ وَقَرَّ بِذَاکَ مِنْہُ عُیُوْنًا

قسم بخدا! جب تک میں زمین کے اندر دفن نہ کر دیا جاؤں، یہ سب لوگ اکٹھا ہو کر بھی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، لہٰذا آپ کسی خوف و خطر کے بغیر تبلیغ جاری رکھئے (خدا) آپ کو خوش اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے

پھر قریش نے یہ دیکھا کہ جناب ابو طالب مسلسل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد

نصرت کررہے ہیں تو ان لوگوں نے مسلمانوں پر ظلم ڈھانا بھی شروع کیا اور بنی ہاشم کے بائیکاٹ کی دستاویز بھی تیار کی جس میں (تمام قبائل نے) یہ طے کیا کہ جب تک یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے ان کی شادی بیاہ ان سے خرید وفروخت، ان کے ساتھ نشست وبرخاست سب کچھ بند الغرض ہر قسم کے تعلقات ختم، اب مکمل بائیکاٹ کیا جائے گا۔

اس دستاویز پر چالیس آدمیوں نے مہر لگائی اور خانہ کعبہ کے اندر اُسے آویزاں کردیا —— جس کے بعد جناب ہاشم اور مطلب کے خاندان کے سب لوگوں نے شعب ابوطالب میں پناہ لے لی، ان لوگوں میں چالیس مرد تھے۔

شعب ابی طالب میں ان لوگوں کو انتہائی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کھانے پینے کی ہر چیز ختم ہوگئی اور تین سال تک اِن تمام حضرات نے انتہائی پریشان کن صورت حال کا سامنا کیا۔

لیکن خداوند عالم کے لطف وکرم سے یہ مرحلہ بھی گزر گیا ——

—— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے گرامی قدر چچا سے فرمایا: قریش نے جو معاہدہ لکھ کر بیت اللہ کے اندر لٹکایا ہوا ہے اسے دیمک نے چٹ کرلیا ہے۔

جب آپ نے یہ معجزنما کلمات سُنے تو پورے ایمان وایقان کیساتھ رؤسائے مکہ کے پاس گئے اور جو کچھ انہیں فرمایا، جناب حفیظ جالندھری مرحوم کی زبانی سنیئے ؎

نوٹ: شاہنامہ اسلام سے حفیظ جالندھری مرحوم کے اشعار آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

شکستِ معاہدۂ باطل

دکھائی شکل اس آغاز کے انجام نے اِک دن
چچا کو دی خبر اُس مصدرِ الہام نے اِک دن

کہ دیمک کھا چکی ہے ظالموں کے عہد نامے کو
شکستہ کر دیا اللہ نے باطل کے خامے کو

ہے عبرت کا سبق اس انتباہِ آسمانی میں
فقط نامِ خدا باقی ہے اس تحریرِ فانی میں

ابی طالب اُٹھے گھر سے نکل کر شہر میں آئے
تھے جن کے دستخط اس عہد نامے پر وہ بُلوائے

کہا میرے بھتیجے سے ملی ہے یہ خبر مجھ کو
دکھاؤ چل کے وہ تحریر اپنی اِک نظر مجھ کو

میں اُس کو چھوڑ دوں گا قول ہی اُس کا اگر باطل
وہ حق پر ہے تو پھر اس عہد نامے کا اثر باطل

تبختر[2] کی ادا سے ہنس پڑا بوجہلِ بد گوہر
اتارا عہد نامہ دیکھ کر سب رہ گئے ششدر[1]

کہو ظاہر پرستو! کیا یہ امرِ اتفاقی تھا
جو فانی تھا وہ فانی تھا، جو باقی تھا وہ باقی تھا

---

[1] ابو طالب قریش کے پاس آئے اور آنحضرت کا قول بیان کیا۔ ابوجہل نے کہا ہم اس عہد نامہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ضائع ہو گیا ہو۔ پھر رؤسائے قریش کو ساتھ لے کر کعبہ میں پہنچے۔ دیکھا تو دیمک اس پارچے کو کھا چکی تھی اور عجیب بات یہ تھی کہ جہاں جہاں اللہ محمد کا لفظ لکھا تھا صرف وہی جگہ باقی تھی (العادۃ العرب)

[2] **تبختر** مراد ہے اِترا کر چلنا، تکبر، غرور، ناز، شیخی، وغیرہ (فیروز اللغات)

اہلِ قریش میں سے بعض کو اس سنگدلی کا احساس ہوا۔ انہوں نے دوسروں کو احساس دلایا اور اس بات پر زور دیا کہ اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دینا چاہیئے۔ چنانچہ معطم بن عدی خانہ کعبہ کے اندر گیا، اس کپڑے کو چاک کیا جس میں وہ دستاویز رکھی گئی تھی تو دیکھا کہ اس پورے کاغذ کو دیمک نے کھالیا ہے صرف نامِ خدا باقی رہ گیا ہے یہ دیکھ کر قریش کے لوگوں نے بائیکاٹ ختم کیا۔ کھانے پینے کا سامان پہنچانے کی آزادی ہوئی اور بنی ہاشم کے لوگوں نے شعبِ ابوطالب کے حصار سے باہر آکر آزادی کا سانس لیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی شریکِ حیات

جنابِ ابوطالب کی شادی اُن کی چچازاد بہن جناب فاطمہ بنت اسد سے ہوئی تھی، اس کے علاوہ آپ نے کوئی شادی نہیں کی، آپ کی ساری اولاد اسی عظیم المرتبت خاتون سے ہے جو شروع میں ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائیں اور جب تک زندہ رہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس برابر آتے رہتے تھے اور آپ کے گھر قیام بھی فرماتے تھے۔ سن ۴ ہجری میں آپ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو حضور علیہ السّلام نے ہی اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائی خود ہی دفن فرمایا اور روتے ہوئے اُن کے لیے یہ دُعا فرمائی:

”اے مادرِ گرامی! خُدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ میری نہایت مہربان مادرِ گرامی تھیں“

کسی صحابی نے کہا کہ: یا رسُول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اِن خاتون کے انتقال سے تو آپ پر انتہائی مُنفرد (حزن وملال) نظر آرہا ہے (جنازہ کے پیچھے روتے ہوئے چل رہے تھے، پھر جنازہ آ مارے جانے سے قبل خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم

قبر میں اُترے، بہت دیر تک قبر کے اندر لیٹے رہے) ایسا تو آپ نے کسی کی وفات پر بھی نہیں کیا تھا؟

تو آپ نے فرمایا:

عمِّ محترم حضرت ابو طالب کے بعد مجھ پر سب سے زیادہ مہربان یہی تھیں۔ میں نے ان کے کفن میں اپنا لباس شامل کیا تاکہ انہیں جنت کا لباس ملے اور میں اُن کی قبر میں اس لیئے لیٹا کہ قبر میں سکون سے رہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی اولاد

۱۔ طالِب: جو آپ کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور اُن ہی کی وجہ سے آپ کا لقب ابو طالب قرار پایا۔ لیکن کتابوں میں اُن کے حالات نہیں ملتے۔

۲۔ عقیل: جو عرب کے انساب سے سب سے زیادہ باخبر تھے۔ اسلام لائے اور غزوہ مُوتہ میں شہید ہُوئے۔

۳۔ جعفر: جو بعثتِ پیغمبر کے ابتدائی دنوں میں ہی اسلام لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر حبشہ بھیجا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرمایا کرتے تھے کہ "وہ صورت و سیرت میں مجھ سے مشابہ ہیں"۔ جنگِ موتہ میں آپ شہید ہُوئے۔ دورانِ جنگ آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بشارت دی کہ:

خداوند عالم اِن کو اِن دونوں ہاتھوں کے عوض جنّت میں ایسے دو پَر عطا کرے گا جن کی مدد سے وہ پرواز کر سکیں گے"۔

چنانچہ آپ "جعفرِ طیّار" کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے تین بیٹے تھے عبداللہ، محمّد اور عون رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۴۔ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب: نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر سب سے پہلے

ایمان لانے والے جبکہ انتہائی کم سِن تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا کی شادی حضرت علی سے کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے پہلی نماز بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی پڑھی۔ (پھر اسلام کی پوری تاریخ کے آپ معیارِ اعظم قرار پائے۔

۵۔ جنابِ اُمِّ ھانی:

۶۔ جمانہ:

اور بعض مؤرخین نے کچھ اور بیٹیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

القِصّہ اِس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ) جناب سیّدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ نے مال کے بجائے اپنے اخلاقِ کریمانہ کے ذریعہ سے قریش کے دلوں پر حکومت کی اور بجائے اِس کے جانوروں کی قربانی کے ذریعہ سے لوگوں کا دل خوش کرتے، اپنی بلند سیرت اور مضبوط کردار کے ذریعہ سے اپنی عظمت کا لوہا منوایا جس کی بنا پر اُن کے حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت سے زندگی گزاری، تنگدست لوگوں، غربا، ومساکین اور پریشان حال مسافروں کے جو وفود آتے تھے اُن کی ضیافت اور اُن کے ساتھ فیاضی کا سلوک فرماتے تھے۔

عقل و دانش کے لحاظ سے انتہائی کمال پر تھے، آپ کی حکمت و بصیرت نہایت ممتاز تھی۔ اسلام کی آمد سے قبل آپ نے شراب کو حرام ٹھہرا رکھا تھا۔

آپ جب خطبہ دیتے تھے تو اُس کے الفاظ ایسے شیریں، مطالب ایسے بلند ہوتے تھے جو دِل میں نقش ہوتے چلے جاتے تھے چنانچہ آپ کے خطبات کو انتہائی شہرت حاصل ہوئی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی پوری زندگی اسلام سے وابستہ نظر آتی ہے بلکہ دینِ اسلام کے لیے جو سب سے سخت اور مشکل وقت تھا اور نہایت پریشان کن حالات

تھے، اس میں جس ذاتِ گرامی کی مدد و نصرت سب سے نمایاں نظر آتی ہے اور جس کی حیات شجرِ اسلام سے مکمّل طور پر پیوستہ دکھائی دیتی ہے، وہ آپ ہی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرتِ طیبہ جب بھی بیان کی جائے گی تو اُن کی کفالت کرنے والے، اُن کے عمِّ محترم حضرت ابوطالب کی استقامت، بصیرت اور جرأت مندانہ نصرتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم پہلو بہ پہلو نظر آئے گی۔

ہجرتِ حبشہ

جب رؤسائے مکّہ نے نبیّ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم وستم کی انتہا کردی تو حضور پُر نور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بہ ارشادِ خداوندی انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا؛ اس موقعہ پر بھی حضرت سیّدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ نے شاہِ حبشہ کے نام اپنے منظوم مکتوبات میں مہاجرین حبشہ کے ساتھ رحم وکرم، شفقت و رأفت سے پیش آنے کی تاکید کی ——— تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے: میرے مہربان و مشفق کرم فرما جناب الحاج افتخار احمد حافظ قادری زید مجدہٗ کی نہایت تاریخی تصنیف "شاہِ حبشہ حضرت اصحمۃ النجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ" کے متعلقہ صفحات کا عکسِ جمیل؛ حافظ صاحب دنیائے اسلام کی وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے حضرات انبیاء و رُسُل، صحابہ کرام، اہلِ بیت عظّام اور اولیائے کرام کے سینکڑوں مزارات پر حاضری کی سعادت حاصل کی اور پھر ہر ایک کے مزارِ پُر انوار کی ایمان افروز، رُوح پرور تصاویر مرتّب کر کے متعدّد کتابوں کی صورت میں شائع کیں۔



نشانِ منزل

زبان سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دِل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

○

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ جلّ و علیٰ نے منافقین کی منافقانہ کیفیت کو سورۃ المنافقون میں یوں ظاہر فرمایا ہے کہ میرے حبیب (صلّی اللہ علیہ وسلّم)!

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسُول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

(کنز الایمان ترجمہ اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ)

تفسیر خزائن العرفان میں حضرت صدرُ الافاضل مولانا سیّد محمّد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ رقم فرماتے ہیں:

(منافق) اپنے ضمیر کے خلاف (کہتے ہیں) ان کا باطن ظاہر کے موافق نہیں اس لیے خلافِ اعتقاد کہتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں سورۃ البقرہ کے دوسرے رکوع کی تیرہ آیات میں بالوضاحت منافقین کی منافقانہ چالوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

نیز تمام مسلمانوں کو آگاہ فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ (الآیۃ) سے لیکر اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تک پڑھتے جائیے اور ان کی چرب زبانی کو دیکھتے جائیے۔ ترجمہ پیشِ خدمت ہے " اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دِین پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔ فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو، اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو، اور انہیں شعور نہیں، اور ان کے دلوں میں بیماری ہے اور اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، بدلہ ان کے جھوٹ کا، اور جب ان سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو، تو کہتے ہیں ہم سنوارنے والے ہیں، سُنتا ہے وہی فسادی ہیں مگر انہیں شعور نہیں، اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں، تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں، سُنتا ہے وہی احمق ہیں مگر جانتے نہیں، اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہوں تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ——— الی آخرہ (کنزالایمان)

یہاں تفسیر کی چنداں ضرورت نہیں، ان آیاتِ بیّنات سے خود ہی واضح ہے کہ منافقین زبان سے تو کلمہ پڑھ کر زمرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر دل سے انکاری تھے، اقرار باللّسان تو تھا مگر تصدیق بالقلب نہیں تھی، ان کے انجام کی یوں خبر دی گئی کہ، اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (پ۵) بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے تو کیا نتیجہ نکلا؟

زبان سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اب آئیے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منافقین کی حالت کو کس طرح

طشت از بام کیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں:

میری امّت کے تہتّر ۷۳ فرقے ہوں گے جن میں سے بہتّر ۷۲ تو گمراہ اور دوزخی ہوں گے اور ایک فرقہ جنتّی ہوگا۔ (جو اہل سنّت وجماعت سے موسوم ہے) جیساکہ مُسندِ امام احمدؒ، ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ شریف وغیرہ ودیگر کتبِ احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

اِنَّ بَنِی اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی اُثْنَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً وَتَفرّق اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً ۔ بے شک بنی اسرائیل کے بہتّر فرقے تھے اور میری امّت کے تہتّر فرقے ہوں گے کُلُّھُمْ فِی النَّارِ، وہ سب فرقے جہنّمی ہوں گے اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً مگر ایک فرقہ قَالُوْا مَنْ ھِیَ؟ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا وہ کون سا فرقہ ہے یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلّم)

قَالَ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی۔ آپ نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔

امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ وَوَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ ھِیَ الْجَمَاعَةُ: وہ فرقہ جنّتی ہے اور اس کا نام جماعت ہے ——— اس لیے کہ وہی حق پر عمل پیرا ہوں گے۔

ذرا غور فرمائیے! بہتّر ۷۲ فرقے جو ناری ہونگے کیا انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا ہوگا؟ زبان سے خدا ورسول اور دیگر احکام خدا اور ارشادات رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا اقرار نہیں کرتے ہوں گے؟ ایسی بات ہرگز ہرگز نہیں، بلکہ وہ نمازیں خوب ادا کریں گے، قرآن مجید کی تلاوت نہایت عمدگی سے کریں گے، مگر دینِ اسلام سے ایسے نکل چکے ہوں گے جیسے

تیر شکار سے نکل جاتا ہے اور تیزی کے باعث اس پر خون یا گوبر کا نشان تک دکھائی نہیں دے گا۔ اسے محض افسانہ گمان نہ کیجئے، یہ حقیقت ہے ملاحظہ فرمایئے ارشادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر تھے جب آپ (مالِ غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے، آپ کے پاس ایک کمزور سا آدمی ذوالخویصرہ نامی آیا جو بنی تمیم سے تھا۔

فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِعْدِلْ۔ پس وہ پکارا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عدل فرمایئے!

فَقَالَ وَیْلَکَ فَمَنْ یَّعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ اِنْ لَمْ اَکُنْ اَعْدِلُ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیری خرابی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو تو خائب و خاسر ہو جاتا۔

فَقَالَ عُمَرُ ائْذَنْ لِّیْ اَضْرِبْ عُنُقَہٗ فَقَالَ دَعْہُ فَاِنَّ لَہٗ اَصْحَابًا یَحْقِرُ اَحَدُکُمْ صَلٰوتَہٗ مَعَ صَلٰوتِہِمْ وَصِیَامَہٗ مَعَ صِیَامِہِمْ یَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَہُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّہْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ (الحدیث)

تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلّم) مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اُتار دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ کیونکہ اس کے کچھ ساتھی ہوں گے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر جانے گا۔ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن اُن کے گلوں سے نیچے نہیں اُترے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے..... الیٰ آخرہ

مشکوٰۃ المصابیح۔ (متفق علیہ)

اب اپنے ایمان سے فیصلہ کیجئے کہ جن لوگوں کی نمازوں اور روزوں نیز قرآن مجید کی تلاوت کے سامنے اپنی نمازوں، روزوں کو تلاوتوں کو حقیر سمجھو گے کیا ان کا زبان سے کلمہ پڑھنا فائدہ دے گا؟

علامہ اقبال مرحوم تو اسی لئے پکار رہے ہیں ؎

زبان سے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور جس ہستی نے کلمۂ مقدسہ کی عظمت و شان کو چار چاند لگانے کے لئے صاحب کلمہ کی حمایت و نصرت کی خاطر اپنی جان کی پرواہ تک نہ کی اور مصائب و آلام سے ہر لمحہ دوچار رہے۔ حبیب حق، رحمت عالم، نور مجسم نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو سائے کیطرح اپنے ساتھ رکھا۔ جن کے برادر گرامی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نے بوقت وصال اُن سے کلمہ سُن کر گواہی دی، کیا اس کے جنتی ہونے میں کوئی شک ہے؟

کہا جاتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تو اس وقت از خود اسلام سے محروم تھے، مانا کہ وہ اس وقت تک بظاہر اسلام میں داخل نہیں تھے، یہ بات تو پھر اور تاکید کرتی ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ دولت ایمان سے شاد کام تھے۔

اس لیئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تو اپنے عقیدہ کی حمایت کرنی چاہیئے تھی نہ کہ نبی کریم کے عم محترم کے ایمان کی شہادت دیتے، کیونکہ الجنس میل الی الجنس، جنس جنس کیطرف میلان کرتی ہے:

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر، باز با باز

نیز، جب حضرت عباس اس وقت صاحبِ ایمان نہیں تھے تو ان کی شہادت
اِس ضرب المثل "الفضلُ ماشہدت بہِ الاعداء" کا مصداق ہوئی:

ع مُدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

ان تمہیدی کلمات کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ رکھیئے تاکہ آئندہ سطور
میں جو کچھ ملاحظہ فرمائیں گے یقیناً نفع مند ثابت ہوگا۔

پہلے حضرت سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے چند اہم واقعات
کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جنہیں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
نے اپنی پاکیزہ زندگی میں باقاعدہ دیکھا، اور انہیں کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھا جن سے
استفادہ کرتے ہوئے انوارِ توحید سے مستنیر ہوتے رہے اور اپنے والد ماجد
حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے عین مطابق حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ
کے ماہِ مبین حضرت سیّدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نورِ نظر اور اپنے محبوب
بھتیجے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت و دلداری کی خاطر قریشی اور دیگر
قبائل کے سامنے آخری لمحات تک ڈٹے رہے جس ابتلاء و آزمائش اور مصائب و
آلام کا سامنا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا وہ انہیں کا حصّہ تھا
اس دَور میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا جو مشرکین و کفّارِ مکہ کے مقابل سینہ سپر
ہوتا۔ مکّہ مکرّمہ میں اس وقت صِرف حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
ذاتِ ستودہ صفات ہی تھی جنہوں نے صبر و استقامت سے ہر قسم کی یورشوں
اور آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا، دشمنانِ مصطفیٰ (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے
سیسہ پلائی دیوار بن چکے تھے، عزم و ہمت کے وہ ایسے پہاڑ تھے کہ جس
سے دشمنوں کی تمام اسکیمیں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو گئیں۔ آخر اللہ تعالیٰ جلّ و علیٰ نے
انہیں ایسی نرالی شان سے نوازا کہ ان کے تغسیل و تکفین اور تدفین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

شامل رہے یہاں تک کہ جب ان کے جسمِ مقدس کو قبرستان میں دفنانے کے لئے لے جارہا تھا تو رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ چل رہے تھے، کیا مکہ مکرمہ میں آپ کے وقت کوئی اور سردار نہیں مرا تھا جس کے لیئے آپ باہر نکلے ہوں؟

یقیناً کئی قریشی اور دیگر قبائل کے سردار لقمہ اجل بنے ہوں گے۔ مگر سوائے حضرت ابوطالب کے جسد مبارک کو لحد میں اتارنے تک آپ قبرستان میں رہے نمازِ جنازہ کا ابھی حکم نہیں آیا تھا ورنہ آپ اپنے عمِ محترم کی نمازِ جنازہ خود پڑھاتے پہلی نمازِ جنازہ جو مدینہ طیبہ میں پڑھی گئی، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی جنہوں نے ہجرت کے ۹ ماہ بعد ماہِ شوال میں وصال فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی، یوں انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اوّلین شرف حاصل ہوا کہ رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اقتدار میں مہاجرین و انصار صحابہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی اگر نمازِ جنازہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہوتی تو یقیناً حضرت امّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نمازِ جنازہ پڑھاتے۔ فافھموا و تدبّروا

بہرحال آئندہ سطور میں آپ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال و خدماتِ توحید و رسالت اور نصرت و حمائیت اسلام کے درد و سوز سے بھرپور واقعات ملاحظہ فرمائیں گے۔ مصائب و آلام اور ابتلاء و آزمائش کی جن اندھیروں سے رحمۃ للعالمین جناب احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واسطہ پڑا ایسے ناگفتہ بہ حالات میں صرف ایک ہی مکہ مکرمہ کی بلند مرتبت شخصیت تھی جس نے اس اندھیر نگری میں عشق و محبت کے ایسے چراغ روشن کئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیغامِ خداوندی، اکناف و اطرافِ مکہ میں پہنچانا بھی قدرے آسان ہو گیا۔

جبکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد مشرکین نے از سرِ نو پہلے سے بڑھ کر حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس مشن کو ناکام بنانے کے لیئے تکالیف کی انتہا کر دی۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو قسم قسم کی سزاؤں سے دوچار کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جلّ وعلیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم نازل ہوا۔

قارئینِ کرام!

پہلے آپ شیخِ بطحا حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ایمان افروز واقعات کو پڑھیئے جن سے حضرت ابو طالب خصوصی طور پر متاثر تھے۔ انہیں سے استفادہ کرتے ہوئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھل کر حمایت و نصرت کو اپنا مطمحِ نظر بنایا۔

ما قصّۂ سکندر و دارا نخوانده ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس
(حافظ شیرازی)

میں نے سکندر و دارا کے قصّے نہیں پڑھے، مجھ سے مہر و وفا کی کہانی کے سوا کچھ نہ پوچھ

○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَلَّتْ حِيْلَتِيْ
أَنْتَ وَسِيْلَتِيْ أَدْرِكْنِيْ يَا سَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ

اَلضَّآل کا ترجمہ کنزالایمان کی روشنی میں

قرآنِ مجید سورۂ والضحیٰ کی آیۂ کریمہ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی (پ۳۰)

ترجمہ: اور تمہیں اپنی محبّت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

سورۂ یوسف پ۱۲ آیت ۸، حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں نے اپنے والدِ ماجد حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بارے کہا:

اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ بے شک ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبّت میں ڈوبے ہوئے ہیں:

انہوں نے مزید کہا:

قَالُوْا تَاللّٰہِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ۔

بیٹے بولے! اللہ کی قسم آپ اپنی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والدِ ماجد حضرت سیّدنا ابوطالب کے وصال کی اطلاع نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خدمت میں دیتے ہیں:

لَمَّا مَاتَ اَبُوْطَالِبٍ اَتٰی عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ عَمَّکَ الشَّیْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ فَقَالَ اِغْسِلْہُ وَاَکْفِنْہُ وَادْفِنْہُ وَلَا تُحْدِثْ حَدَثًا حَتّٰی تَلْقَانِیْ اَیْ لَا تُصَلِّ عَلَیْہِ.... الخ

جب ابوطالب وصال فرما گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: بیشک آپ کے شیخ مکرّم جو آپ کی محبّت میں خود رفتہ رہتے تھے، وصال فرما گئے ہیں تو آپ نے فرمایا: انہیں غسل دیں کفن پہنائیں اور دفن کریں اور کوئی نئی چیز نہ کرنا یہاں تک کہ مجھے آملو۔ یعنی اس کی نمازِ جنازہ مت پڑھنا .... الخ

آخری جملے اَیْ لَاتُصَلِّ عَلَیْہِ کے سوا باقی عبارت کا ترجمہ راقم تابش قصوری نے اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے ترجمہ کنزالایمان سے تطبیق کرتے ہوئے کیا ہے۔

یہاں نمازِ جنازہ مت پڑھنا، درج کرنا محلِّ نظر ہے کیونکہ اس وقت تو نمازِ جنازہ کا وجود ہی نہیں تھا۔ پہلی نمازِ جنازہ ہجرت کے ۹ ماہ بعد شوال المکرّم میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔

(دیکھئے فتاویٰ رضویہ جدید جلد ۹)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَلَّتْ حِیْلَتِیْ

اَنْتَ وَسِیْلَتِیْ اَدْرِكْنِیْ یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور مشاہدات برکات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

چاہِ زم زم کا ظہور

بنو جرہم کو بنو خزاعہ نے جب مکہ سے جلا وطن کیا تو انہوں نے بیت اللہ شریف کے اندر آویزاں سونے کے دو ہرن، تلواریں، زرہیں اور دیگر قیمتی سامان چاہِ زم زم میں پھینک کر اُسے مٹی سے بھر دیا تاکہ بنو خزاعہ وغیرہ اُن سے فائدہ نہ اٹھا سکیں چنانچہ سینکڑوں سال زم زم کا کنواں بند رہا، حتیٰ کہ لوگوں کے ذہنوں سے اس کی یاد اور اس کی اہمیت محو ہو گئی۔ لوگ مکہ کے دوسرے کنوؤں سے اپنی ضروریات پوری کرنے لگے۔

امام ابوالقاسم السہیلی اپنی کتاب الروض الانف میں لکھتے ہیں:

"بنو جرہم کی بدکاریوں کے نتیجے میں زم زم کا پانی خشک ہو گیا تھا اور اس نعمت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں محروم کر دیا تھا۔"

ایک روز حضرت عبدالمطلب حطیم میں سو رہے تھے، کسی نے خواب میں آکر کہا حَفِر طیبہ (یعنی) طیبہ کھود دو، انہوں نے پوچھا طیبہ کیا ہے تو کہنے والا غائب ہو گیا، دوسری رات پھر جب وہ اپنے بستر پر آکے لیٹے، آنکھ لگی تو اس شخص نے پھر کہا حَفِر برہ، برہ کو کھود دو، آپ نے پوچھا برہ کیا ہے تو پھر وہ غائب ہو گیا۔ تیسری رات پھر خواب میں آواز آئی اِحفِر مضنونہ مضنونہ کو کھود دو، آپ نے پوچھا مضنونہ کیا ہے وہ پھر غائب ہو گیا۔ جب چوتھی رات آئی وہ اپنی خواب گاہ میں آرام کرنے کے لئے لیٹے تو آنکھ لگتے ہی

آواز آئی اِحفر زَم زَم! زَم زَم کھود و، آپ نے پوچھا زَم زَم کیا ہے۔ آج اس شخص نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا:

تُرَاثٌ مِن اَبِیکَ الاَعظَمِ لَا تَنزِفُ اَبَداً وَلَا تُزَمُّ تَسقِی الحَجِیجَ الاَعظَمُ وَھِیَ بَینَ الفَرثِ وَالدَّمِ عِندَ نُقرَۃِ الغُرَابِ الاَعصَمِ عِندَ قَرِیَۃِ النَّملِ۔

زم زم تیرے عظیم باپ کی میراث ہے، یہ چشمہ پانی کا ختم ہوتا ہے اور نہ اس کی مرمت کی جاتی ہے۔ اس سے حجّاج کرام کو سیراب کیا جاتا ہے یہ گوبر اور خون کے درمیان ہے جہاں کالا کوا چونچیں مار رہا ہے۔ چیونٹیوں کی بستی کے بالکل قریب ہے۔

جب تفصیلات کا علم ہو گیا تو دوسرے روز آپ نے اپنے بیٹے حارث کو لیا اور کدال لے کر آ گئے، اساف اور نائلہ کے درمیان جہاں مشرکین بتوں کے لیے قربانی کے جانور ذبح کیا کرتے تھے وہاں پہنچے۔ دیکھا ایک سیاہ رنگ کا کوّا وہاں چونچیں مار رہا ہے۔ کھدائی شروع کر دی یہاں تک وہ ایک ایسی تہہ تک پہنچ گئے جس سے کامیابی کے امکانات روشن ہو گئے۔ آپ نے فرطِ مسرّت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ قریش نے ابتداء میں تو اس کاوش کو ایک سعیِ لاحاصل سمجھتے ہوئے کوئی پروانہ کی لیکن جب کامیابی کے آثار نمایاں ہونے لگے تو انہوں نے مطالبہ شروع کر دیا، چاہ زم زم، ہم سب کے باپ کا کنواں ہے۔ اس لئے ہمیں بھی اس کے کھودنے میں شریک کرو۔ آپ نے صاف انکار کر دیا —— اور فرمایا یہ انعام اللہ تعالیٰ نے صرف مجھ پر کیا ہے، اس میں کسی کی شرکت میں منظور نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا ہم آپ کو کھودنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جب جھگڑا بڑھا تو یہ

طے پایا کہ دونوں فریق کسی کو اپنا ثالث مقرّر کرلیں۔ جو فیصلہ وہ دے اس پر سب عمل کریں۔ جنگ اور خون ریزی سے بچنے کی یہی ایک صورت تھی چنانچہ سعد بن ہزیم کی کاہنہ کو حکم مقرر کیا گیا۔ فریقین اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ بنی سعد کا قبیلہ شام کی سرحد کے قریب رہائش پذیر تھا۔ چٹیل میدان اور بے آب وگیاہ صحراؤں سے گزرنا پڑا۔ اثنائے سفر حضرت عبدالمطلب کے پانی کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔

انہوں نے دوسرے فریق سے پانی مانگا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

اور یہ لوگ شدّتِ پیاس سے نڈھال ہوتے جارہے تھے۔ موت سامنے نظر آرہی تھی۔ حضرت عبدالمطلب نے ساتھیوں سے مشورہ کرکے یہ طے پایا کہ سب لوگ اپنی اپنی قبر کا گڑھا کھودیں جب کوئی دَم توڑے تو اسے اس کے گڑھے میں دفن کر دیا جائے۔ آخر میں جو آدمی رہ جائے گا اگر اس کو کسی نے دفن نہ کیا تو کوئی حرج نہیں بجائے سب کی لاشیں بے گور وکفن رہیں، اس سے بہتر ہے کہ آخری آدمی بے گور وکفن رہے۔

چنانچہ ہر ایک نے اپنی اپنی قبر تیّار کرلی اور موت کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت عبدالمطلب نے پھر یوں کہا:

"ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنا اور موت کا انتظار کرنا کوئی جوانمردی نہیں، اٹھو جب تک جسم میں جان ہے قدم آگے بڑھتے رہیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمارے بچانے کا سامان مہیا فرمادے"۔

...... چنانچہ سب نے اپنے اونٹوں کے کجاوے کسے اور ان پر سوار ہوگئے۔

خدائی فیصلہ

حضرت عبدالمطلب نے جب اپنا اونٹ اٹھایا تو اس کے پاؤں کے نیچے سے چشمہ اُبل پڑا۔ پانی

ٹھنڈا بھی تھا اور میٹھا بھی۔ سب نے خوب سیر ہو کر پیا اور مشکیزے بھی بھر لیے
آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔ جاؤ دوسرے فریق سے بھی کہو : وہ بھی اس
چشمہ سے جی بھر کر پانی پی لیں اور اپنے برتن بھی بھر لیں، بعض دوستوں نے
اپنی ناگواری کا اظہار کیا کہ جب ہم نے ان سے پانی مانگا تو انہوں نے انکار
کر دیا۔ اب ہم انہیں پانی پینے کی اجازت کیوں دیں ؟

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا، ہم بھی ایسا ہی کریں تو پھر ہم میں
اور ان میں کیا فرق رہ جاتا ہے ؟ آپ نے مدِ مقابل کو دعوت دی کہ وہ آئیں
اور اس چشمہ سے پیاس بجھائیں۔ جب فریقِ ثانی نے آپ کی یہ کرامت
دیکھی تو کہا۔ عبدالمطلب اب آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ
فرما دیا ہے جب اس نے اس لق و دق صحرا میں تمہارے اونٹ کے
پاؤں کی ٹھوکر سے چشمہ جاری کر دیا ہے تو زم زم بھی صرف تمہارا ہے۔ ہم
اس میں حصہ داری کا دعویٰ واپس لیتے ہیں۔ چنانچہ دونوں گروہ واپس آ گئے
اور واپس آ کر چاہِ زم زم کی کھدائی مکمل فرمائی اور پھر تو آپ اپنے عظیم الشان
کارناموں، اپنی بے مثل جود و عطا، اولوالعزمی اور بلند ہمتی اور خصائل حمیدہ
کے باعث ساری قوم کی آنکھوں کے تارے اور سارے عرب کے لیے وجہِ
افتخار تھے۔

واقعہ اصحابِ فیل اور موحدِ جلیل

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے عظیم الشان کارناموں، اپنی بے مثل
جود و عطا، اپنی اولوالعزمی اور بلند ہمتی نیز خصائل حمیدہ کے باعثِ ساری قوم
کی آنکھوں کے تارے، سارے عرب کے لیے وجہ نازش تھے، ایک جلیل القدر باپ
کے بیٹے تھے۔ تاریخِ عالم کا رُخ پھیر دینے کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے

آپ کی حیاتِ مبارکہ کے ایسے نادر اور تاریخ ساز واقعات ظہور پذیر ہو رہے تھے جو آپ کے مُوَحِد ہونے پر شاہد و عادل ہیں۔ زمانہ فترت میں آپ خدائے واحد کے ہی پرستار تھے، شرک اور بُت پرستی سے نفرت اور اللہ تعالٰی جلّ و علیٰ کی ذات والا برکات پر ایمان و ایقان نہایت مستحکم تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اَبرَہَہ نے کعبۃ اللہ پر لشکر کشی کی تو آپ تن تنہا ابرَہَہ سے مُلاقات کرتے ہیں جب کہ اس کے لشکری آپ کے دو سو اونٹ ہانک کر لے گئے تھے۔ حضرت عبدالمطلب صاحبِ حُسن جمال تھے، چہرے سے وجاہت اور شرافت کے آثار نمایاں تھے۔ ابرہہ نے جب آپ کو دیکھا، آپ کی بڑی تعظیم کی، بڑے آداب بجالایا اور یہ پسند نہ کیا کہ خود تخت پر بیٹھے اور انہیں نیچے بٹھائے اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے، ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اُترا اور قالین پر بیٹھ گیا اور آپ کو بھی اپنے پہلو میں قالین پر بٹھایا۔

پھر ترجمان سے کہا کہ اِن سے پوچھو کس کام کے لیئے آئے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اس لیئے آیا ہوں کہ بادشاہ کے سپاہیوں نے میرے دو سو اونٹ پکڑ لیئے ہیں، وہ مجھے واپس کر دیں۔ ابرَہہ نے ترجمان سے کہا انہیں کہو جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو میں آپ سے بہت متاثر ہوا تھا۔ لیکن جب آپ نے بات کی ہے تو آپ کی قدر و منزلت میری آنکھوں سے گر گئی ہے تو آپ دو سو اونٹوں کے بارے میں مجھ سے گفتگو کرتے ہیں لیکن اس گھر کے بارے میں کچھ نہیں کہتے جس کو گرانے کے لیے میں آیا ہوں حالانکہ وہ گھر آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ آپ نے جواب دیا: میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے

وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔

ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا: کوئی بھی میری زد سے کعبہ کو بچا نہیں سکتا۔

آپ نے فرمایا: تو جان اور وہ جانے۔

حضرت عبدالمطلب ملاقات کے بعد واپس آ گئے۔

پاکستان کے نامور قومی شاعر جناب حفیظ جالندھری نے جو نقشہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو۔

ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب سے کہا:

کہا فرمائیے کیا نام ہے کیا کام ہے صاحب ۔۔۔ بیاں کیجئے یہاں آنے کا مقصد و مطلب

کہا اہل عرب کہتے ہیں عبدالمطلب مجھ کو ۔۔۔ نہیں ہے آپ سے کوئی غرض کوئی طلب مجھ کو

ہنکا لائے ہیں میرے اونٹ جا کر آپکے چاکر ۔۔۔ میں آیا ہوں کہ لے جاؤں یہاں سے اونٹ لوٹا کر

سنی یہ بات تو حیران ہو کر ابرہہ بولا ۔۔۔ کہ شاید تم نے اپنی بات کو دل سے نہیں تولا

یہ ظاہر ہے میں آیا ہوں یہاں کعبہ گرانے کو ۔۔۔ تمہارے جد امجد کی عبادت گاہ ڈھانے کو

تعجب ہے کہ اک ناچیز شے کا ذکر کرتے ہو ۔۔۔ نہیں کعبے کی فکر، اونٹوں کی اپنے فکر کرتے ہو

تمہیں لازم تھا عزت کے مطابق گفتگو کرتے ۔۔۔ خدا کا گھر بچانے کیلئے کچھ آرزو کرتے

یہ طعنہ سن کے عبدالمطلب بولے متانت سے ۔۔۔ کہ ناواقف ہو تم قوم عرب کے کیش و ملت سے

صداقت ہے یہی میں اپنی شے کا ذکر کرتا ہوں ۔۔۔ کہ میرا مال ہیں اونٹ اس لئے میں فکر کرتا ہوں

کرے گا فکر اپنے گھر کی جو اس گھر کا مالک ہے ۔۔۔ کہ جو اس گھر کا مالک ہے وہ بحر و بر کا مالک ہے

یہ سن کر ابرہہ چپ ہو گیا اب اونٹ دلوائے ۔۔۔ یہاں سے اٹھ کے عبدالمطلب چپ چاپ گھر آئے

بعدہٗ آپ نے اپنے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو لیا اور خانہ کعبہ حاضر ہو کر یوں دعا کرنے لگے۔

دُعا مانگی جنابِ آمنہ کو پاس بٹھلا کر
کہ اے کعبہ کے مالک نصرتِ غیبی مہیا کر

یہ عالی شان بچہ جو ابھی ہے بطنِ مادر میں
بشارت تھی کہ اس کا نور چمکے گا ترے گھر میں

اسی کے واسطے سے ہم دُعا کرتے ہیں اے مالک
سوا تیرے کسی سے ہم نہیں ڈرتے ہیں اے مالک

بچالے یورش دشمن سے اپنے گھر کی حرمت کو
بچالے آلِ اسماعیل کے سامانِ عزت کو

دعائیں مانگ کر اُٹھے فرازِ کوہ پر آئے
یہاں سے فوج دشمن کے انہیں نقشے نظر آئے

الغرض ابرہہ کے لشکر نے چڑھائی کردی مگر ہاتھیوں نے کعبہ کی طرف بڑھنے سے انکار کردیا اور پھر خدائی بمبار چھوٹی چھوٹی چڑیاں جنہیں ابابیل کہتے ہیں، اچانک نمودار ہوئیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی کارروائی شروع کردی۔

حفیظ جالندھری صاحب بیان کرتے ہیں:

وہاں زیرِ فلک ساری فضا میں چھاگئیں چڑیاں
خدا جانے کہاں سے جمع ہو کر آگئیں چڑیاں

یہ ننھی مُنّی چڑیاں تھیں، ابابیلوں کا لشکر تھا
ذرا سی چونچ میں نازک سے ہر پنجے میں کنکر تھا

نہ کی جب ابرہہ نے اِک ذرا سی حرمتِ کعبہ
ابابیلوں نے کی آکر یکایک نصرتِ کعبہ

بلندی سے ابابیلوں نے پھینکے اس طرح پتھر
کہ چھلنی کی طرح سے چھد گئی یہ فوجِ بداختر

وہ ظالم ابرہہ اور اس کے ساتھی ایک ساعت میں
پڑے تھے سب کے سب دُھنکی ہوئی روئی کی صورت میں

وہ فوجیں اور وہ ہاتھی اور ان کے ہانکنے والے
خدا کے قہر نے اک آن میں پامال کر ڈالے

یہ زندہ معجزہ دکھلا دیا اس مہرِ انور نے
چھپا رکھا تھا جس کو عصمتِ دامانِ مادر نے

یہ پوتا واسطے سے جس کے دادا نے دُعا مانگی
وہ جس کے نام سے نادیدہ تائیدِ خدا مانگی

وہ بچہ آمنہ کے گھر میں پیدا ہونے والا تھا
وہ نور اب چند ہی دن میں ہویدا ہونے والا تھا

جہاں کے واسطے امن و اماں کے دور باقی تھے
وہ دن آنے کو تھا بس دو مہینے اور باقی تھے

رویائے صادقہ بشارتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

ایک رات حضرت سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو خواب آیا کہ اچانک ایک درخت نمودار ہوا، جس کی چوٹی آسمان کو چھو رہی ہے اور اس کے ڈال اور شاخیں مشرق و مغرب، جنوب و شمال تک پھیلتی جا رہی ہیں۔ اسی اثناء میں ایک گروہ آیا اور اس درخت کو کاٹنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک چھوٹی سی جماعت مدِ مقابل آئی اور اس گروہ کو بھگا دیا۔

جب بیدار ہوئے تو خواب کی تعبیر کیلیے ایک یہودی عالم کے ہاں پہنچے، اپنا خواب بیان کیا، تعبیر پوچھی تو اس یہودی نے عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کو چھپاتے ہوئے کہہ دیا: اے عبدالمطلب فکر کی کوئی بات نہیں۔ بس یوں ہی ایک خواب ہے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں، مگر آپ مطمئن نہ ہوئے اور ایک معبرہ فاطمہ نامی خاتون کے پاس گئے۔ اس نے خواب سنتے ہی مبارک باد پیش کی اور یوں تعبیر دی:

لَيَخْرُجَنَّ مِنْ صُلْبِكَ رَجُلٌ يَّمْلِكُ الْمَشْرِقَ وَالْمَغْرِبَ۔

(الخصائص الکبریٰ)

پنجابی شاعر نے اس کا یوں ترجمہ کیا ہے ؎

پشت تیری تھیں بچہ ہوسی رب دیاں سمجھ عطائیں

مالک ہوسی کُل دنیا دا مشرق مغرب تائیں

حضرت حفیظ جالندھری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

جوانی کے دنوں میں اک نرالا خواب دیکھا تھا
درخت نسلِ ہاشم اس قدر شاداب دیکھا تھا
کہ اس کے سایہ میں دونوں جہاں معلوم ہوتے تھے
زمیں اور آسماں دو ٹہنیاں معلوم ہوتے تھے

حضرت عبدالمُطلب رضی اللہ عنہ کی خصوصی دُعا:

اس خواب کے بعد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول بن چکا تھا کہ آپ سحری کے وقت بیت اللہ شریف حاضر ہوتے، بعداز طوافِ کعبہ، مقام ابراہیم اور بابِ کعبہ کے درمیان سجدے میں یوں دُعا کیا کرتے:

دعا یہ تھی الٰہی نعمتِ موعود مل جائے
بنی ہاشم کا مرجھایا ہوا گلزار کھل جائے
اچانک صبح کی پہلی کرن ہنستی ہوئی آئی
مبارک باد کہہ کر یہ خبر دادا کو پہنچائی
ملا ہے آمنہ کو فضلِ باری سے یتیم ایسا
نہیں ہے بہرِ ہستی میں کوئی دُرِّ یتیم ایسا



رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش کا برسنا :

بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک سات سال تھی۔ مکہ مکرمہ اور اس کے اکناف واطراف میں قحط پڑ گیا۔ بارش نہیں ہو رہی تھی۔ لوگ بھوک اور پیاس سے بلبلا اٹھے، پریشانی کے عالم میں انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے تو اچانک غائبانہ طور پر آواز سنائی دی۔

لوگو ! اگر تم چاہتے ہو کہ رحمت کی بارش ہو اور قحط ختم ہو جائے تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں گزارش کرو، وہ اپنے پوتے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ بارش عطا فرما دے گا۔ چنانچہ تمام لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ نے دُرِّ یتیم، عبداللہ کے چاند، آمنہ کے نورِ نظر، اپنے دلبند پوتے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر بٹھایا اور کوہِ ابوقبیس پر چڑھنے لگے۔ تمام لوگ پہاڑ کے دامن میں جمع تھے۔

شاعر نے اس واقعہ کی یوں منظر کشی کی ہے :

یا رحمان رحیم کریما پالن ہار جہاناں
قحط ہلاکت پہنچ حیواناں تے لب جاں انساں
گورے مکھ والا مینہ منگدا، اتھیوں باری سائیاں
سوہنیاں سوہنیاں پیاریاں زلفاں پانی منگن آئیاں
چپ کر موڈھے اُوپر بیٹھے حضرت نبی غفاری
اوہ اسواری درگاہ باری، لگی بہت پیاری
رحمت والے بدّل کارن حکم حضوروں آوے
سوہنیاں سوہنیاں نیناں والا کے پانی گھر جاوے

اتنی بارش بھیجی ربّ نے کون بیان سناوے
جتھوں نظر اٹھاوے کوئی پانی نظریں آوے

○ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت ابوطالب کو وصیّت :

کرن روایت عبدالمطلب وقت وفات تیاری
حاضر اپنے پاس بلائی سب اولاد پیاری
درد دوں ہنجوں باہر آیاں باتاں درد سنایاں
اسیں محمّد سوہنے کولوں لگے کرن جدائیاں
کون یتیم محمّد کارن خدمت بھار اٹھاوے
جس نے گل نال لانا، اسنوں حاضر بول سناوے

○ ابولہب نے کہا مجھے خدمت کا موقعہ دیا جائے مگر حضرت عبدالمطلب نے اسے نظر انداز کر دیا اور فرمایا: "تو اس لائق نہیں"

اس ھتیں پچھے حضرت حمزہ ادبوں عرض سنائی
باپ کہیا توں لائق، مگراں تیں اولاد نہ کائی
لڑکیاں اوپر رحم کماون کیا معلوم تنہاں نوں
شفقت بھار اٹھاون کیونکر نہیں اولاد جنہاں نوں
دوجا توں پہلوان بہادر، شیر جواں، شکاری
شوق شکار ہمیشہ تینوں، سمجھ حقیقت ساری
گھر وچہ چھوڑ یتیم محمّد، جنگل نوں ٹر جاویں
اس دا حال کی ہوسی جیکر رات پئی گھر آویں

پچھے رہے یتیم اکیلا، مت کوئی دشمن مارے
تیری غفلت پاروں سانوں خوف دِلے وچ آوے

شاہ عباس ہویا پھر حاضر عرض سناون ہارا
مینوں اسدی خدمت کارن امر کرو سردارا

باپ کہیا توں لائق، مگراں خوف کرے دل میرا
اہل بیت اولادوں برکت بھارا ٹبر تیرا

آل اولاد زیادہ پاروں ہووے شغل جنہاں نوں
دِل وچہ کویں یتیم نمانے آون یاد تنہاں نوں

پھیر حضرت ابوطالب بولے میں قربانی جاواں
درد محبت بھار اٹھاواں جے منظوری پاواں

باپ کہیا بس لائق توں ہیں سچے وعدے والا
بہت محبت نرمی تینوں، رکھیں خوب سنبھالا

جے کر اج عبداللہ ہوندا، رو کر بات سنائی
پھیر یتیم محمدؐ تائیں حاجت نہیں سی کائی

تُسیں برابر سارے مینوں وَدھ گھٹ مول نہ کائی
جس نوں کرے قبول محمدؐ اسیں قبولاں سوئی

سُن کر دادے جو فرمایا، اُٹھ کر نبی ربانا
زانو پاس ابوطالب دے کیتا بیٹھ ٹھکانا

نال محبت چاچے صاحب رو کر سینے لایا
سر چشماں پر بوسہ دِتا راوی ذکر لیایا

(اکرام محمدی از مولوی عبدالستار صاحب اہل حدیث)

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اور مشاہدہ برکاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور عمِ محترم ابو طالب

حضرت عبد المطلب کی وصیت کے مطابق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کی سعادت حضرت ابو طالب کے حصہ میں آئی۔ آپ کی مالی حالت اچھی نہ تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے خدمت گزاری کا حق ادا کر دیا۔ آپ اپنے بچوں سے زیادہ حضور سے پیار کرتے۔ ایک لمحے کے لیئے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ رات کو سوتے تو حضور کو اپنے پہلو میں لٹاتے، کھانے کا وقت ہوتا تو اس وقت تک دسترخوان نہ چنا جاتا جب تک حضور تشریف نہ لاتے، اگر حضور موجود نہ ہوتے تو اپنے کسی بچے کو بھیجتے تاکہ حضور کو ڈھونڈ کر لے آئے۔ حضور کے آنے کے بعد کھانا شروع کیا جاتا۔

حضور جب اپنے چچا کے دسترخوان پر شریک ہوتے تو اس کی برکتیں بھی ظہور پذیر ہوتیں، اگر آپ کے بچے کبھی حضور کے بغیر کھانا کھاتے تو کھانا پورا نہ ہوتا اور بھوکے اُٹھ آتے۔ لیکن جب حضور تشریف فرما ہوتے تو سارے خوب سیر ہو کر کھاتے اور کھانا بھی بچ رہتا۔ یہ دیکھ کر ابو طالب کہتے: اِنَّكَ لَمُبَارَكٌ (یعنی) اے میرے بیٹے تو بڑا با برکت ہے۔

(ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد-۲)

دم دم چاچا نال محبت بہت رکھیے دلداری ○ کدی نہ چھوڑے ساتھ نبی دا ساری عمر گزاری

نال محبت چاچا پیارا پہلوں کد نہ کھاوے[1] ○ کھانے اندر سرورِ عالم جب تک ہتھ نہ پاوے

حضرت ابو طالب کا آپ کے ساتھ سفر و حضر میں مل کر کھانا کھانے کا معمول رہا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ کبھی بھی کوئی کافر و مشرک کھانا کھانے میں شریک ہوا؟

یقیناً جواب نفی میں ملے گا۔

قارئین کرام!

پھر خود غور کریں، آپ کا یہ عمل بھی حضرت ابو طالب کے ایمان پر شاہد و عادل ہے:

محبّت کی بے تابیاں کچھ نہ پوچھو:

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مثالی محبّت تھی جسے قلم کی زبان سے بیان کرنا کارے دارد ——— تاہم از خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت ابو طالب سے بے حد محبّت و مودّت تھی۔

ایک دن ایک مکان میں جلوہ افروز تھے کہ آپ بڑے ناز سے حضرت ابو طالب کے زانو پر سر رکھا اور سو گئے، اسی اثنا میں حضرت ابو طالب کو شدت سے پیاس نے غلبہ پایا مگر حضور کے آرام میں خلل نہ آنے پائے، اپنے زانو کو حرکت تک نہ دی۔ مگر اللہ کی شان، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک سے چشمہ جاری ہو گیا۔

آپ بیدار ہوئے، اس وقت کی کیفیت کو مولوی عبد الستار صاحب نے پنجابی اشعار میں یوں قلمبند کیا ہے[2]

---

[1] اکرام محمدی مولوی عبد الستار [2]: اکرام محمدی مولوی عبد الستار

زانو اتاں اٹھایا نہ سی ایسا پیار کمایا
بیٹھا رہیا نبی دی خاطر تریہہ نے غلبہ پایا
بہت نہایت پیون کارن جبدم حاجت ہوئی
عجب تماشا ظاہر ہویا، دیر نہ لگی کوئی
قدماں ہیٹھ نبی دیوں جلدی چشمہ ہویا جاری
ظاہر عظمت شان نبی دا کیتا خالق باری
نال محبت سرورِ عالم ایہہ فرمان سنایا
چاچا جی تسیں پی لو پانی، ادب کنوں فرمایا
بہت پیارا شیریں بھریا چاچے پیتا پانی
ابو طالب جس ویلے ڈِٹھی قدرت عجب ربانی
واللہ انک مبارک جلدی بول کہیا آشکارا
قسم خدا دی برکت بھریا توں محبوب پیارا
ہور زیادہ چاچے تائیں ایسی الفت ہوئی
دل وچہ ہور کسے دے کارن جگہ رہی نہ کوئی

پہلا سفرِ شام : جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال کے قریب پہنچی تو حضرت ابو طالب نے اپنے تجارتی مقاصد کیلیئے شام کے سفر کی تیاری شروع کر دی —— جب آپ روانہ ہونے لگے تو رحمت عالم نے اپنے چچا کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور اصرار کیا کہ مجھے بھی ہمراہ لے جائیں :

مَسَکَ بِزِمَامِ نَاقَۃِ اَبِی طَالِبٍ قَالَ یَا عَمِّ اِلٰی مَنْ

تَکِلُنِیۡ لَا اَبٌ لِی وَلَا اُمٌّ۔ (ضیاء النبی جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

حضور نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور فرمایا:

اے میرے چچا! آپ مجھے کِس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں، میرا نہ باپ ہے اور نہ ماں؟

ابو طالب نے قصدِ تجارت کیتی سفر تیاری
چھوڑو نہیں اکیلا مینوں کہے رسول غفاری
کِس دے پاس تسیں چھڈ مینوں لگے ہون روانہ
اپنے ساتھ لے چلو مینوں آکھے نبی یگانہ
دل غمناک رسول پیارا اپڑ مہار کھلویا
ابو طالب کر یاد خدا نوں آنسو بھر بھر رویا
اس دا باپ جے زندہ ہوندا روکر درد رنجانا
کیوں اس حالت اندر ہوندا میرے کول نمانا
رو کر حضرت نوں گل لایا سفر مہار اٹھائی
وادی شام اندر جا پہنچے جویں روایت آئی

بحیری راہب کی دعوتِ خاص:

الغرض حضرتِ ابو طالب نے آپ کو اپنی اونٹنی پر سوار کر لیا اور کئی دِنوں کی مسافت کے بعد یہ قافلہ بُصریٰ پہنچا۔ وہاں ایک عیسائی راہب کی خانقاہ تھی، اس کے قریب آپ کے قافلے نے پڑاؤ کیا، اس راہب کا نام جرجیس تھا لیکن بُحَیریٰ کے نام سے مشہور تھا۔ بحیریٰ سریانی لفظ ہے اس کا معنی عبقری، نابغہ یعنی از حد دانش مند اور علامۂ روزگار (ضیاء النبی جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)

کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے حواریوں کو جو خصوصی علوم عطا کیے گئے، تھے وہ نسلاً بعد نسلٍ چلے آتے تھے اور اس زمانے میں ان علوم کا امین یہی بحیرئی راہب تھا۔

قریشی کاروان ہمیشہ اس راستہ سے گزرتے تھے لیکن اُس نے کبھی ان کی پرواہ نہیں کی تھی۔ وہ اُن سے گفت گو کرنے کا بھی روادار نہ تھا۔ لیکن اس دفعہ جب یہ قافلہ اس وادی میں داخل ہوا تو اس نے اپنی خانقاہ سے دیکھا کہ ایک نوخیز بچے پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ وہ بچہ جدھر جاتا ہے بادل کا ایک ٹکڑا اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے پھر اس نے اس اَمر کا مشاہدہ بھی کیا کہ جب یہ قافلہ ایک درخت کے سایہ میں اُترا، یہ بچّہ جب وہاں پہنچا تو درخت کے سایہ میں کوئی جگہ نہ رہی تھی۔ اس لیے مجمع سے باہر ہی وہ بچّہ دھوپ میں بیٹھ گیا اور درخت نے فوراً جھک کر اپنا سایہ بچے پر پھیلا دیا۔

بحیرئی نے جب اپنی خانقاہ کے دریچہ سے یہ منظر دیکھا تو اسے خیال آیا ——— جس نبی صادق و امین کے ہم منتظر ہیں اور جس کی علامات ہماری کتب میں مرقوم ہیں کہیں یہ جوان وہی تو نہیں ؟ اسے قریب سے دیکھنا چاہیئے تاکہ ان نشانیوں کے بارے پورا وثوق ہو جائے اور اس نے اس لیے یہی تجویز مناسب سمجھی کہ سارے قافلے کی ضیافت کی جائے وہ نوجوان بھی آئے گا۔ اسے قریب سے دیکھ کر دل کو مطمئن کر لوں گا۔ چنانچہ خلاف معمول وہ اپنی خانقاہ سے نکل کر ان قافلہ والوں کے پاس آیا اور کہا آج آپ کے قافلہ کے تمام افراد کو میں دعوت دیتا ہوں کہ آج ما حضر میرے ہاں تناول فرمائیں۔

اُس کے اِس طرزِ عمل سے سارا قافلہ سراپا حیرت بنا ہوا تھا۔ آخر ایک شخص سے رہا نہ گیا اور اس نے پوچھ ہی لیا ——— اے بحیرئی ! آپ کے طرزِ عمل نے

ہمیں حیران کر دیا ہے۔ اس دفعہ خلافِ معمول اپنی خانقاہ سے چل کر ہمارے پاس آئے اور ہمیں کھانے کی دعوت دے کر ہماری عزت افزائی فرمائی۔ آپ کے طریقہ کار میں بیّن تفاوت کیوں ؟

بحیریٰ نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا: بیشک آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن آخر کار آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اپنے مہمانوں کی عزت کرنا اور ضیافت کا شرف حاصل کرنا ہمارا فرض ہے۔ جب مقررہ وقت آیا تو قافلے کے سارے افراد بحیریٰ کے ہاں گئے اس نے بڑے اہتمام سے اُن کا خیر مقدم کیا۔

لیکن وہ جس جانِ عالم کے لیئے بڑی بے تابی سے اپنی آنکھیں فرش راہ کئے ہوئے تھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا آپ میں سے کوئی رہ تو نہیں گیا، انہوں نے بتایا، تمام لوگ آ گئے ہیں صرف ایک بچہ پیچھے رہ گیا ہے۔ اسے ہم خیموں اور اونٹوں کی حفاظت کیلیئے چھوڑ آئے ہیں۔ اس نے اصرار کیا اسے بھی ضرور بلاؤ، اس قافلے کا کوئی فرد چھوٹا ہو یا بڑا، غلام ہو یا آقا پیچھے نہ رہے۔

چنانچہ آپ کے چچا حارث بن عبد المطلب گئے اور حضور کو بلا لائے، اس پیکرِ نور و سعادت کے آنے سے بحیریٰ کے بیقرار دل کو قرار آ گیا اور وہ حضور کو پہچاننے کے لیئے ٹکٹکی باندھ کر رُخِ انور کو دیکھنے میں محو ہو گیا۔ جب قافلے والے کھانے سے فارغ ہوئے تو اس نے سب کو رخصت کر دیا اور خود حضور کے قریب آیا۔

آپ سے کئی سوالات کئے، جوابات پا کر مطمئن ہو گیا تو حضرت ابو طالب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پوچھا، آپکا اس بچے سے کیا رشتہ ہے؟ آپ نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیریٰ نے کہا یہ آپ کا بیٹا نہیں اور نہ ہی اس کا باپ زندہ ہے۔ حضرت ابو طالب نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس نے کہا: اس کا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: مَاتَ وَاُمُّہٗ حُبْلیٰ، ان کا انتقال ہو گیا جبکہ ابھی

یہ شکمِ مادر میں تھے۔ اس نے کہا: آپ نے سچی بات کی، پھر اس نے پوچھا، اس کی ماں کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: تھوڑی مدت گزری انتقال کر گئی ہیں۔ پھر اس نے کہا: آپ اپنے بھتیجے کو لے کر وطن لوٹ جائیں اور یہودیوں سے ہر وقت ہوشیار رہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اس کی بڑی شان ہے۔ ھٰذا سیّد العالمین، ھٰذا رسول ربّ العالمین، ھٰذا یبعثہ اللہ رحمۃ للعالمین، یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں۔ یہ ربّ العالمین کے رسول ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ چنانچہ یہ قافلہ جلدی جلدی فراغت پا کر مکہ مکرمہ لوٹ آیا۔

شدید قحط اور بارانِ رحمت

ابنِ عساکر جلہمیہ بن عرفطہ سے روایت ہے کہ عرصہ دراز سے بارش کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکی تھی۔ ایک شخص نے اہلِ مکہ سے کہا: چلو لات و عزیٰ کے پاس، وہاں جا کر فریاد کرو۔ ایک اور شخص بولا، منات کے پاس چلو، اس وقت ایک شخص نمودار ہوا جو بڑا خوش اندام اور خوبرو تھا۔ اس کی رائے بھی بہت صائب تھی۔ اس نے کہا: تم مارے مارے بھٹکتے پھر رہے ہو جب کہ تمہارے پاس ابراہیم و اسمٰعیل کے خاندان کی یادگار موجود ہے۔

لوگوں نے کہا: تمہارا مطلب یہ ہے کہ ابو طالب کے پاس جائیں، اس نے کہا: بے شک! سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ ہم نے جا کر ابو طالب کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ باہر نکلے۔ سب لوگ آپ کی طرف دوڑے۔ عرض کی اے ابو طالب؟ قحط سالی نے وادی کو جلا کر رکھ دیا ہے۔ بال بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ تشریف لایئے

اور بارش کے لیئے دُعا مانگیئے۔

حضرت ابوطالب سب کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ ایک نوخیز جوان بھی تھا (یعنی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلّم) یوں معلوم ہوتا تھا کہ مہرِ درخشاں بادلوں کی اوٹ سے باہر نکلا ہو۔ حضور کے اِرد گرد آپ کے عمُر بھی تھے۔ ابوطالب نے آپ کو پکڑا اور آپ کی پشت کعبہ کے ساتھ لگا دی۔ اس نوجوان نے سراپا عجز و نیاز بن کر دُعا کے لیئے ہاتھ اٹھائے اس وقت آسمان پر بادل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ آپ کے مبارک ہاتھ اُٹھتے ہی جگہ جگہ سے بادل کی ٹکڑیاں نمودار ہونے لگیں اور چند لمحوں میں بادل اُمڈ آئے اور بارش برسنے لگی۔ ایسی موسلادھار بارش برسی کہ ساری وادیاں لبریز ہو گئیں۔ مرجھائے ہوئے درخت سرسبز و شاداب ہو گئے۔

بعثت کے بعد جب کفّار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اذیّت پہنچانی شروع کی تو حضرت ابوطالب نے اپنی قوم کو حضور کا وہ احسان یاد دلایا اور عظیم برکت کا ذکر کر کے انہیں ان کی اذیّت رسانیوں سے باز رہنے کی تلقین کرنے کیلیئے ایک قصیدہ لکھا جس کے دو شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ

ثِمَالُ الْیَتَامٰی وَعِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ

ان کی رنگت سفید ہے۔ اُن کے رُخِ انور کا واسطہ دے کر بارش کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔

یَلُوْذُبِہِ الْھُلَّاکُ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ

فَھُمْ عِنْدَہٗ فِیْ نِعْمَتٍ وَفَوَاضِلِ

خاندانِ ھاشم کے مسکین ہلاک ہونے سے اس کے دامنِ کرم میں پناہ لیتے

ہیں۔ پس وہ لوگ آپ کے پاس ہر قسم کے انعامات و احسانات سے مالا مال کر دیئے جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سات سال کے تھے تو آپ کے وسیلے سے حضرت عبد المطلب نے دعا مانگی تو بارش ہوئی اور یہ واقعہ جب آپ گیارہ برس کے تھے تو حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ لوگ بارش سے بہرہ مند ہوئے۔

مدینہ پاک میں بھی ایک اعرابی کی گزارش پر آپ نے بارش کے لیئے دعا فرمائی، فوراً بارش برسنے لگی اور مسلسل دوسرے جمعہ تک برستی رہی۔ اعرابی پھر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلّم، اب بارش کی کثرت سے ہلاک ہونے کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اور بارش رُک گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر فرمایا: اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو یہ منظر دیکھ کر اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ کون ہے جو ان کا شعر سنائے؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی:

کَاَنَّکَ تُرِیْدُ قَوْلَہٗ وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: بے شک!

۱۔ السیرۃ النبویہ احمد ذینی دحلان جلد اوّل

بحوالہ: ضیاء النبی ص۱۰۸ جلد دوم

۲۔ السیرۃ النبویہ لابن الھشام

نکاحِ خوانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عمِ محترم

ذیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عقدِ تزویج کی تفصیل مقصود نہیں، یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ آپ کا نکاح جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا تو خطبۂ نکاح کے کلمات کیا تھے؟

مقررہ تاریخ پر قبیلہ مُضر کے رؤسا، مکہ کے شرفاء اور اُمراء اکٹھے ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اِن کے چچا عمرو بن اسد وکیل بنے۔ حضرت ابوطالب نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف سے وکالت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے اس وقت ایک فصیح وبلیغ خطبہ نکاح ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ ذُرِّیَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ وَزَرْعِ اِسْمَاعِیْلَ وَضِئْضِیِٔ مَعَدٍّ وَعُنْصُرِ مُضَرَ۔ وَجَعَلَنَا حَضَنَۃَ بَیْتِہٖ وَسُوَّاسَ حَرَمِہٖ وَجَعَلَ لَنَا بَیْتًا مَحْجُوْجًا وَحَرَمًا اٰمِنًا وَجَعَلَنَا الْحُکَّامَ عَلَی النَّاسِ ثُمَّ اِنَّ ابْنَ اَخِیْ ھٰذَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) لَا یُوْزَنُ بِرَجُلٍ اِلَّا رَجَحَ بِہٖ وَاِنْ کَانَ فِی الْمَالِ قُلًّا وَّاِنَّ الْمَالَ زَائِلٌ وَاَمْرٌ حَائِلٌ وَمُحَمَّدٌ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) مَنْ قَدْ عَرَفْتُمْ قَرَابَتَہٗ وَقَدْ خَطَبَ خَدِیْجَۃَ بِنْتَ خُوَیْلِدٍ وَقَدْ بَذَلَ لَھَا مِنَ الصَّدَاقِ مَا اٰجِلُہٗ وَعَاجِلُہٗ اِثْنَتَا عَشَرَۃَ اُوْقِیَّۃً ذَھَبًا وَنَشًّا وَھُوَ وَاللّٰہِ بَعْدَ ھٰذَا لَہٗ نَبَأٌ عَظِیْمٌ وَخَطَرٌ جَلِیْلٌ۔ (ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم) جلد دوم ص ۱۳۶

ترجمہ : سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم کی اولاد سے، حضرت اسماعیل کی کھیتی سے، معد کی نسل سے، مضر کے اصل سے پیدا فرمایا۔ نیز ہمیں اپنے حرم کا منتظم مقرر کیا۔ ہمیں ایک ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے۔ اور ایسا حرم بخشا جہاں امن میسر آتا ہے۔ نیز ہمیں لوگوں کا حکمران مقرر فرمایا ———— حمد و ثنا کے بعد! میرا یہ بھتیجا جس کا نام محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس کا دنیا کے جس بڑے سے بڑے آدمی کے ساتھ موازنہ کیا جائے اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اگر یہ مالدار نہیں تو کیا؟ مال تو ایک ڈھلنے والا سایہ ہے اور بدل جانے والی چیز ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی قرابت کو تم خوب جانتے ہو، اس نے خدیجہ بنت خویلد کا رشتہ طلب کیا ہے اور ساڑھے بارہ اوقیہ سونا مہر مقرر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم مستقبل میں اس کی شان بہت بلند ہوگی۔ اسکی قدر و منزلت جلیل ہوگی۔

اعلانِ نبوت اور تبلیغِ اسلام :

پہلے پہل وحی کا آغاز رویائے صادقہ سے ہوا جس کی مُدت چھے ماہ بتائی جاتی ہے۔ جب نبی کریم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ مبارک پوری چالیس سال ہوگئی تو بیداری کے عالم میں وحی کی ابتداء ماہ رمضان مبارک میں ہوئی۔ بالفاظِ دیگر نزولِ قرآن کی ابتداء رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ۔ (البقرہ آیت ۱۸۵)

رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

دوسرا ارشادِ خداوندی ہے :

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ۔ (سورۃ القدر: ۱)

ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کا حکم ملتے ہی حق کا علم بلند کرنے کیلئے کمر ہمّت باندھ لی، ظلمت کدۂ عالم کو توحید کے نور سے منوّر کرنے اور باطل کو ہر میدان میں شکست فاش دینے کیلئے، یتیمِ مکّہ نے عزمِ مصمّم کر لیا۔ بادیہ ضلالت میں صدیوں سے بھٹکنے والے قافلۂ انسانیت کو منزلِ مراد تک پہنچانے کیلئے جو قدم اٹھا وہ ہمیشہ آگے ہی بڑھتا گیا، مخالفت کا کوئی طوفاں اس برق رفتاری کو متاثر نہ کر سکا۔ عداوت و حسد کے کتنے ہی آتشکدے بھڑکائے گئے۔ لیکن اس بشیر و نذیر رسُول کے مبارک قدموں کی برکت سے، وہ گلستانوں میں تبدیل ہوتے گئے۔

تند و تیز آندھیاں اس کے روشن کئے ہوئے چراغوں کو بجھا نہ سکیں۔ اس کے جاں نثاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ لیکن ان کی حوصلہ مندیوں میں ذرا فرق نمایاں نہ ہوا۔

سَابقُون الایمانؔ!

تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی مرد اور کوئی عورت آپ سے پہلے اسلام نہیں لایا۔

سیرت ابن ہشام میں یوں مرقوم ہے:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر حضرت خدیجہ بنت خویلد، ایمان لے آئیں حضور کی تصدیق اور رسالت کی ذمّہ داریوں کی انجام دہی میں آپ کی ڈھارس بندھائی۔ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول پر ایمان لائیں۔ حضور

کی تصدیق کی، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اپنے محبوب نبی کے بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ جب مخالفین حضور کے ساتھ تلخ کلامی کرتے یا جھٹلاتے تو حضور کو بہت دُکھ ہوتا۔ لیکن جب گھر تشریف لاتے تو اُمّ المومنین ایسی گفتگو کرتیں کہ غم و اندوہ کے بادل چھٹ جاتے، وہ حضور کو ثابت قدمی پر ابھارتیں۔ آپ غم کو ہلکا کرتیں، حضور کی تصدیق کرتیں، اس طرح لوگوں کی مخالفتوں کے باعث دل کو جو ملال اور رنج پہنچتا، اس کا ازالہ کر دیتیں، اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔

حضرت سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

افضل البشر بعد الانبیا بالتحقیق حضرت سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ، مَردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور کفّارِ مکّہ نے آپ کو بھی روحانی و جسمانی مصائب و آلام سے دوچار کئے رکھا۔ ابتلاء و آزمائش کے اس دَور میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ وفاشعاری، جاں نثاری کا ہر طرح سے مظاہرہ کیا۔ اقبالؒ نے کیا خوب حقیقت کی ترجمانی فرمائی ہے ؏

آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما — آں اَمَنَّ النّاسِ بر مولائے ما
ہمّتِ او کشتِ ملّت را چوں ابر — ثَانِیَ اثْنَیْنِ غار و بدر و قبر

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رحمتِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کمسنی کے عالم میں ہی اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اعلانِ نبوّت سے پہلے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آغوشِ نبوّت میں پہنچا دیا تھا تاکہ یہ قطرہ، صدفِ احمدی میں پرورش پاکر دُرِّ شہسوار بنے۔ اپنے علمی اور روحانی انوارِ ساطعہ سے تاقیامت اکنافِ عالم کو منوّر اور روشن کرتا رہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ فاطمہ بنت اَسد فرماتی ہیں :

"جب میرا یہ بچہ پیدا ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام علی رکھا اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا، اور اپنی زبان اس مولود مسعود کو چوسنے کے لیئے اس کے منہ میں ڈالی جسے یہ چوستا رہا۔ یہاں تک کہ سو گیا۔

ایک دن حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنے فرزند علی کو امام الانبیاء کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھتے ہیں تو پوچھا : بیٹے ! یہ کیسا دین ہے جو تو نے اختیار کیا ہے ؟ تو آپ نے جواب دیا :

"اے میرے باپ ! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں اور جو دین یہ لے کر آئے ہیں اس کی میں نے تصدیق کی ہے اور آپ کی معیت میں اللہ کیلئے نماز پڑھی ہے۔ اور آپ کی پیروی کی ہے"

حضرت ابو طالب نے فرمایا : اے علی ! انہوں نے تمہیں خیر کی طرف بلایا ہے۔ اُن کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا۔

حضرت ابو طالب نے ایک روز مکے کی کسی وادی میں آپ کے ساتھ حضرت علی کو نماز پڑھتے دیکھا تو کہنے لگے : اے میرے بھتیجے ! یہ کیا دین ہے جو تو نے اختیار کیا ہے ؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اے محترم چچا ! یہ اللہ کا دین ہے اور اس کے فرشتوں کا دین ہے اس کے رسولوں کا دین ہے اور ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر اپنے بندوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ اور اے محترم چچا ! آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ میری اس دعوت کو قبول کریں اور اس سلسلہ میں میری مدد کریں۔

جنابِ ابو طالب نے جواب دیا، میرے بھتیجے ! میں (سر دست) اپنے

آبا۔ کے دین کو چھوڑ نہیں سکتا۔ لیکن بخدا کوئی تیرے قریب نہیں آسکتا کہ تمہیں تکلیف پہنچائے جب تک میں زندہ ہوں۔ بہرحال سب سے پہلے ایمان و اسلام کی دولت سے مشرّف ہونے کا شرف عورتوں میں سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ نے پایا۔ جوانوں میں حضرت سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، اور بچّوں میں حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیر کے روز اعلانِ نبوّت فرمایا۔ منگل کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرّف بایمان ہو گئے۔

خیر المسدس در مدحِ میلادِ کامل صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم

تین سال ایسے بھی گزرے کہ نبیِ اکرم ﷺ ایک گھاٹی میں رہے بند مسلسل پیہم
سب قبائل سے الگ صرف تھی آلِ ہاشم کچھ نہ کھانے کو بچا تھا یہ ہوا تھا عالم
ایسے عالم میں کہا رب کے نبی ﷺ نے اک دن
اے مرے پیارے چچا اے مرے سچے محسن

چاٹا دیمک نے وہ کاغذ جو قبائل نے لکھا اب رہا اس میں نہ کچھ، صرف بچا نامِ خدا
آئے کعبہ میں بصد شانِ یقیں اُن کے چچا اور اعلان کیا اُس کا نبی ﷺ نے جو کہا
اب جو دیکھا گیا کاغذ تو حقیقت تھی وہی
(بیہقی نے دلائل النبوۃ میں زہری کی روایت)
بات برحق تھی جو سرکار محمد ﷺ نے کہی

معجزہ تھا یہ محمد ﷺ کا سب ہی نے مانا اور یوں عام ہوا شہر میں آنا جانا
پھر سے آسان ہوا کسبِ معاش و کھانا لائے ایمان جنہیں اس پہ تھا ایماں لانا
کیا یقیں اپنے بھتیجے کی نبوت پر تھا
(بیہقی نے دلائل النبوۃ میں از ہری سے روایت کیا)
جس کے اظہار پہ جھجکے نہیں سرور ﷺ کے چچا

سیّد راشد اسلم ثاقب خیر آبادی چشتی نظامی
فخری سُلیمانی وحافظی۔
سجّادہ نشین آستانۂ عالیہ حافظیہ خیرآباد شریف (بھارت)

دسترخوان تنور میں........

وَاَخْرَجَ ابُونعیم عَنْ عباد بن عبدُ الصَّمد قال اتینا انس بن مالِکْ فقال یاجارِیَۃُ ھلمّی المائدہ فتغدی فأتت بِہاثم قال ھلمّی المندیل فاتت بمندیل وسخ فقال اسجری التنّور فاوقد فامر بمندیل فطرح فِیہِ فخرج ابیض کانّہ اللّبن فقلنا ما ھٰذا قال ھٰذا مندیل کان رسُول اللہ صلّی اللہ علیہِ وسلّم یمسح بہ وجھہ فاذا اتسخ صنعنا بِہ ھٰکذا لانّ النّار لا تاکلُ شیئًا مرّ علیٰ وجُوہ الانبیاء علیہِم السّلام۔ الخصائصُ الکبریٰ الجز الثانی جلد ۳ صفحہ ۸۰

ابونعیم، حضرت عباد بن عبد الصّمد سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ انہوں نے اپنی کنیز سے فرمایا: دسترخوان لائیے، تاکہ ہم کھانا کھائیں۔ وہ دسترخوان لائی، فرمایا رومال بھی لاؤ۔ وہ ایک رومال لائی جو میلا تھا۔ انہوں نے فرمایا: اسے تنور میں ڈال دو، پس اس نے وہ رومال (آگ سے بھڑکتے ہوئے) تنور میں ڈال دیا۔ جب اسے نکالا گیا تو وہ ایسے سفید تھا جیسے دودھ۔ ہم نے حیران ہو کر کہا یہ راز کیا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ رومال ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چہرۂ اقدس کو صاف فرماتے رہے ہیں۔ یہ جب بھی میلا ہوتا ہے تو ہم اسے اسی طرح آگ میں ڈال

کر صاف کر لیتے ہیں۔ کیونکہ جو چیز انبیاء کرام کے مبارک چہروں سے مَس ہو جائے اُسے آگ نہیں جلاتی۔

نتیجہ: نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے عمِّ محترم حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفقت و پیار سے سفر و حضر میں کھانے پینے سونے میں بھی اپنے ساتھ رکھتے، اپنے ساتھ سواری پر سوار کراتے، آپ کے چہرۂ مبارکہ اور سرِ اقدس کو پیار و محبّت سے چومتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے چچّا کی پیاس بجھانے کے لئے اپنے قدموں سے چشمہ جاری کر کے اپنے عمِّ محترم کی پیاس بجھائی۔ کیا آپ کی برکات سے بہرہ مند نہیں ہوں گے؟ یقیناً ہوں گے، انہیں آتشِ جہنّم سے کیا واسطہ!

حضرات محدثّین نے تو صرف آپ کی احادیثِ مبارکہ سے امّت کو مستفیض فرمایا، گویا کہ انہوں نے حدیث شریف کی خدمات سرانجام دیں، وہ تو جنّتی ٹھہریں! اور جس ہستی نے ساری زندگی مشرکین و کفّارِ مکّہ کی تکالیف و مصائب سے بچانے اور نگہبانی فرمانے کی عدیم المثال خدمات، نصرت و حمائیت میں پیہم مصروف اور خطبۂ نکاح شریف کے علاوہ عملاً تصدیق بالقلب سے اپنے ایمان کی دولت کو تقویّت دی وہ کیوں نہ جنّتی ہوں گے؟ کیا صاحبِ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات لائق التفات نہیں؟

مشہور ہے کہ فتح مکّہ کے دن جب خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے لئے انہیں گرایا جا رہا تھا تو آپ اپنی تلوار یا لاٹھی سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

حق آگیا، باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے والا ہے۔

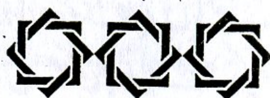
آپ نے کسی بت کو ہاتھ سے نہ گرایا، دریافت کرنے پر فرمایا جس چیز کو میرا ہاتھ چھو جائے تو وہ دوزخ میں نہ جائے گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے بتوں کو گرایا ہوتا تو وہ دوزخ کا ایندھن نہ بنتے، کیا یہ بات بتوں کے ساتھ خاص تھی، کیا حضرت ابوطالب کو آپ نے کبھی نہیں چھوا تھا۔۔؟ (عامہ کتب تواریخ)

ایسی جملہ برکات مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسروں کے لیئے تھیں جنہوں نے معمولی سی خدمت سرانجام دی اور جس ہستی نے ساری عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت میں ہر قسم کی تکالیف ومصائب کو برداشت کیا، مشرکین مکہ کے سامنے ڈٹے رہے، ان کی ساری قربانیاں بے فائدہ رہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ۔

جو ایک ذرّہ بھلائی کرے گا، وہ دیکھے گا۔

(ترجمہ کنزالایمان اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ)



اَنَا ابنُ العَوَاتِكَ مِنْ سُلَیْم:

اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرّحمۃ، فتاویٰ رضویہ میں رقم طراز ہیں، حضرتِ حلیمہ رضی اللہ عنہا، حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو گود میں لیئے راہ میں جاتی تھیں۔ تین نوجوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھاتی صورت دیکھی۔ جوشِ محبّت سے اپنی پستانیں، دہنِ اقدس میں رکھّیں، تینوں کے دودھ اُتر آیا۔ تینوں پاکیزہ بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کا معنیٰ زنِ شریفہ، رئیسہ، کریمہ، سراپا عطر آلود ہے تینوں بَنی سُلیم سے تھیں کہ سلامت سے مشتق اور اسلام سے ہم اشتقاق ہے۔ ذِکرہٗ ابن عبد البر فی الاستیعاب (اس کو ابنِ عبد البر نے استیعاب میں ذکر کیا ہے۔) بعض علماء نے حدیث " اَنَا ابنُ العَوَاتِکَ مِنْ سُلَیْم " (میں بنی سلیم کی عاتکہ عورتوں کا بیٹا ہوں) کو اسی معنیٰ پر محمول کیا ہے۔ نقلہٗ السہیلی (اس کو سہیلی نے نقل کیا ہے۔

اقول، الحق کسی نبی نے کوئی آیت و کرامت ایسی نہ پائی کہ ہمارے نبیٔ کرم نبی الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم، کو اس کی مثل اور اس سے امثل عطا نہ ہوئی۔ یہ اس مرتبے کی تکمیل تھی کہ مسیح کلمۃ اللہ صلوات اللہ وسلامہٗ کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا۔ حبیب اشرف بریۃ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے تین عفیفہ لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرما دیا۔ ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(یعنی) جو کمالات سب رکھتے ہیں تو تنہا (جملہ اوصاف جمیلہ) رکھتا ہے۔ وَصلّی اللہُ تعالیٰ عَلَیْکَ وَعَلَیْھِمْ وَ بَارِکْ وَسَلّم، اللہ تعالیٰ

آپ پر اور اُن (انبیاء سابقین) پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائیے۔

امام ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں:

لَمْ تَرضَعهُ مُرضِعَة اِلّا اسلمت، ذکرهٗ فِی کتاب سراج المُرِیدِین۔

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو جتنی عورتوں نے دُودھ پلایا، سب اسلام لائیں (اس کو امام ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب سراج المریدین میں ذکر کیا۔

بھلا دودھ پلانا تھا، کہ اس میں جزئیت ہے مرضعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا نام برکت اور امّ ایمن کنیت کہ یہ بھی یمن و برکت وراستی وقوت، یہ اجلّہ صحابیات سے ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن، سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم انہیں فرماتے ہیں: اَنْتَ اُمِّیْ بَعْدَ اُمِّیْ (یعنی) تم میری ماں کے بعد ماں ہو۔

راہ ہجرت میں انہیں پیاس لگی، آسمان سے نورانی رسّی میں ایک ڈول اُترا، پی کر سیراب ہوئیں۔ پھر کبھی پیاس نہ معلوم ہوئی۔ سخت گرمی میں روزے رکھتیں، پیاس نہ ہوتی۔ (رواہ ابن سعد عن عثمان بن ابی قاسم،) اس کو ابن سعد نے عثمان بن ابو قاسم سے روایت کیا ہے۔

پیدا ہوتے ہی جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے ہاتھوں پر لیا۔ ان کا نام تو دیکھیے، شفاء رواہ ابونعیم عنہا (اس کو ابونعیم نے سیّدہ شفاء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا) یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ ماجدہ و صحابیہ جلیلہ ہیں۔ اور ایک بی بی کہ وقت ولادت اقدس حاضر تھیں، فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ یہ بھی صحابیہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اے چشم انصاف! کیا ہر تعلّق ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں، کا

اجتماع محض اتفاقی بطورِ جزاف تھا ؟ کلّا واللہ ، بلکہ عنایتِ ازلی نے جان جان کر یہ نام رکھّے۔ دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چُنے ۔ پھر محلِ غور ہے جو اِس نورِ پاک کو بُرے نام والوں سے بچائے وہ اسے بُرے کام والوں میں رکھّے گا۔؟ اور بُرا کام کون سا، معاذاللہ ! شرک وکفر، حاشا ثم حاشا ! اللہ اللہ دائیاں مسلمان، کھلائیاں مسلمان، مگر خاص جن مبارک پیٹوں میں محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم نے پاؤں پھیلائے، جن طیّب مطیّب خونوں سے اس نورانی جسم میں ٹکڑے آئے معاذاللہ، چنین وچناں، حاشَ للہ، کیونکر گوارا ہو ؎

خدا دیکھا نہیں قدرت سے جانا !

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲، ص $\frac{۲۹۵}{۲۹۶}$)



اس طویل اقتباس کو بار بار پڑھیئے اور اپنے ایمان والیقان سے فیصلہ لیجیئے کہ جن تین کنواری لڑکیوں نے سرِ راہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لے کر اپنے پستان دہنِ مبارک میں ڈالے انہیں تو بعد از بعثتِ نبوی اسلام وایمان کی سعادت نصیب ہوئی اور وہ عظیم ہستی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدِ ماجد حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وصال پر اپنی کفالت میں لیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ مبارک آٹھ سال تھی اور پھر تا حیات حضرت ابوطالب نے آپ کی سرپرستی اپنی اولاد اور اپنی جان سے بھی زیادہ فرمائی۔ خصوصاً بعثت کے بعد روٴسائے مکّہ نے جب ہر قسم کے مصائب وآلام سے دوچار کیے رکھّا تو اس وقت سوائے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کون آپ کا دفاع فرما رہا تھا، نہ صرف آپ کی حفاظت و مدافعت وصیانت میں عُمر گزاری بلکہ آپ کے متعدّد ارہاصات (قبل از اعلان

نبوّت و رسالت معجزات) کا ذاتی طور پر مشاہدہ فرما چکے تھے اور آپ کے فضائل و
شمائل میں طویل ترین نعتیہ قصائد لکھ کر تاریخ میں اوّلین ثنا گو اور ثنا خوان
ہونے کا شرف پایا ——— تو لامحالہ اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا
کہ آپ کی عظیم خدمات کا صلہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان و ایقان کی بے پایاں
دولت سے نوازا۔ آپ نے تاحیات عملاً کلمہ توحید کی تبلیغ فرمائی۔ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم کے مشن کو عروج و ترقّی پر گامزن کرنے کے لیئے آپ کی حفاظت و
صیانت کا بے مثال مظاہرہ کیا جو اقرارٌ باللسّان سے زیادہ تصدیقٌ بالقلب
پر دلالت کرتا ہے۔

علاّمہ اقبالؒ مرحوم نے یوں ہی تو نہیں کہا تھا ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دِل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

الغرض! حضرتِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقیناً، دل و نگاہ سے ایمان
و ایقان کی دولت سے سرشار تھے۔

نیز بقول حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا بوقتِ وصال آخری کلمہ
وہی تھا جس کی تمنّا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو تھی۔ بعض بلا وجہ اعتراض
کرتے ہیں کہ حضرت عبّاس تو اس وقت خود زمرۂ اسلام میں نہیں تھے تو ان
کی گواہی کیسے معتبر ہو سکتی ہے؟

راقم السطور عرض گزار ہے کہ حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
ایسی حالت میں زیادہ مؤثر تھی کیونکہ اَلجنسُ میلٌ الی الجنس کے مطابق انہیں
تو اپنے نظریہ کے تحت اسلام کی گواہی نہیں دینی چاہیئے تھی۔ جب کہ حضرت
ابو طالب کے آخری کلمات جیسے حضور کی خواہش تھی کہ کلمہ توحید و رسالت

پر اُن کا وصال ہو تو بقول بعض اَلفضلُ ما شہدتْ بہِ الاعداء ؎

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تو واضح ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی صورت میں شہادت مفید ترین ہے کہ حضرت ابوطالب کا وصال ایمان پر ہوا، اور حضور پُر نور کا یہ ارشاد کہ اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالخَوَاتِیم، اعمال کا دار و مدار خاتمے پر ہے تو کیسا حسین وقت نصیب ہوا کہ زبان پر آخری کلمات، توحید و رسالت کی گواہی پر نکلے۔ سُبحان اللہ! ماشاءاللہ!

یہی ہے آرزوئے زندگی تابشؔ قصوری کی

دمِ آخر رُخِ زیبا دکھا دو یا رسول اللہ!

(صلی اللہ علیک وسلم)



سوال وجواب

سَیِّدِی یَا اَبَا البَتُولِ سُؤَالٌ

مِنْ فَقِیْرٍ جَوَابُهُ الاِعْطَاءُ

میرے آقا، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے باباجان! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

فقیر کا ایک سوال ہے جس کا جواب عطا ہے۔

○ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کا ثمرہ:

بخاری شریف میں ہے کہ ابولہب سے ہر پیر کو عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے کیونکہ اس نے اپنی کنیز ثویبہ کی زبانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر فرحت اثر سنی تو اسے جذبات مسرت میں آکر آزاد کر دیا تھا۔ چنانچہ حافظ شمس الدین محمد ناصر الدین الدمشقی اس روایت کو اپنے اشعار میں بڑی عمدگی سے موزون فرماتے ہیں ؎

اِذا کَانَ کافِرًا جاءَ ذمُّہٗ
تَبَّتْ یداہُ فِی الجَحِیمِ مُخلَّدًا
اَتیٰ اَنَّہٗ فِی یومِ الاثنَینِ دائمًا
یُخفّفُ عنہُ لِلسُّرُورِ بِاَحمدا
فَمَا الظّنُ بِالعَبدِ الّذِی کَانَ عُمُرًا
بِاَحمدَ مسرُورًا وفَاتَ مُوحّدًا

ترجمہ: جب ابولہب کافر ہے اور اس کی مذمت میں سورۂ تبّت یدا نازل ہوئی اور وہ دائمی دوزخی ہے۔ پھر یہ مستند روایت کہ ابولہب سے ہر پیر کے دن ہمیشہ عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے اس سبب سے کہ اس نے احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف پر اظہار مسرت کیا تھا۔ تو ایسے شخص کے متعلق تیرا کیا گمان ہے جو اپنی تمام زندگی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے فرحت و سرور حاصل کرتا ہوا موحّد (عقیدۂ توحید پر جاں بحق ہوا۔) (محمدؐ نور صفحہ ۸۷/۸۸، فتاویٰ رضویہ جلد ۲ جدید صہ ۲۹)

مولوی عبدالستار صاحب نے اپنی کتاب اکرامِ محمدی میں اس واقعہ کو یوں منظوم کیا ہے۔

سرد ہووے سب دوزخ تھیوں ہر سوم وار دیہاڑے
سر صدقہ سردار نبی دا اس دن اگ نہ ساڑے
جس ہتھ نال اشارہ کیتا بخشیا گولی تائیں
اس دا اجر طفیل نبی دی کرم کرے رب سائیں

سوال پیدا ہوتا ہے جس عظیم ہستی حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ساری زندگی تقریبًا ۴۵ سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدیم المثال خدمات سرانجام دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمنوں کے ساتھ حکمت عملی سے شب و روز مقابلہ کرتے گزری اسے کیوں دوزخ کے لئے خاص کیا جاتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و سفارش کا جس انداز میں ذکر کیا جاتا ہے اسے کیسے تسلیم کیا جائے، جب کہ حدیثِ قدسی کُلُّهُم یَطلُبُونَ رِضَائی وَ اَنَا اَطلُبُ رِضَاکَ یَا مُحَمَّد،

اس حدیث کا اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ یوں ترجمہ فرماتے ہیں ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ساری زندگی جس شخصیت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و نصرت میں صرف کر دی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دکھ درد میں شریک رہے اور اپنے آباء و اجداد کے دین پر وصال فرمایا، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، دوزخ میں انہیں ناگفتہ بہ حالت میں رہنا پسند فرمائیں گے؟

حفّاظِ کرام کے والدین کے سر پر نورانی تاج :

بکثرت احادیث مشہورہ میں آیا ہے کہ میدانِ حشر میں حفاظ کرام کے والدین کو نورانی تاج پہنائے جائیں گے (خواہ ان کے والدین ان پڑھ ہی کیوں نہ ہوں) تو سوال پیدا ہوتا ہے، حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حفظ القرآن کا معاملہ تو یہاں تک تھا کہ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت اپنا پاؤں رکاب میں رکھنے سے پہلے قرآن کریم مکمّل ختم فرمالیتے تھے۔ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بابِ مدینۃُ العلم کے تمغۂ خاص سے بہرہ مند فرمایا۔ ان کے والدِ ماجد حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو نہ جانے حشر میں کیسے نورانی تاج سے سرفراز کیا جائے گا؟



قبل از وفات
حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اور قریش کی آخری ملاقات

علّامہ ابن کثیر اولین سیرت نگار ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

جب قریش کو آپ کی بیماری کا علم ہوا تو انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ حمزہ اور اور عمر بن خطاب جیسے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور آپ کی دعوت آہستہ آہستہ قریش کے جملہ قبائل میں بھی اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ اٹھو سب ابو طالب کے پاس چلیں۔ اب ان کا آخری وقت ہے شاید ان کی کوشش سے ہمارے درمیان اور محمد (فداہ ابی و امّی) کے درمیان کچھ مفاہمت ہو جائے۔ کچھ ہم ان کی باتیں مان لیں، کچھ وہ ہماری باتیں مان لیں، اس طرح ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا۔ آخر میں انہوں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

فَاِنَّا وَاللّٰہِ مَا نَاْمَنُ اَنْ يَّبْتَزُّوْنَا اَمْرَنَا۔

ورنہ ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہمارا خاتمہ کر کے چھوڑیں گے۔

یہ طے کرنے کے بعد مکّہ کے رؤسا میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ ابو جہل بن ہشام۔ امیّہ بن خلف، ابو سفیان بن حرب اور چند دوسرے آدمی مل کر ابو طالب کے پاس گئے اور بایں الفاظ اپنی حاضری کا مُدّعا بیان کیا۔

اے ابو طالب! ہمارے دلوں میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس سے آپ باخبر ہیں۔ اب آپ کی یہ حالت ہے ہم آپ کے بارے میں طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہیں۔ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان

جو نزاع ہے وہ آپ کو بخوبی معلوم ہے ہماری خواہش ہے کہ آپ انہیں بلائیں اور ہماری اُن سے صلح کرا دیں کچھ ہماری باتیں ان سے منوائیں اور اور کچھ ان کے مطالبات ہمیں ماننے کا حکم دیں تاکہ وہ ہمیں کچھ نہ کہیں اور ہم انہیں کچھ نہ کہیں۔ وہ ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیں۔ ہم جانیں اور ہمارے عقائد اور ہم ان کو ان کے حال پر رہنے دیں۔ وہ جانیں اور اُن کے نظریات۔

حضرت ابوطالب نے حضور علیہ السّلام کو بلانے کیلئے آدمی بھیجا۔ حضور تشریف لائے تو انہوں نے کہا: اے میرے بھائی کے فرزند! تیری قوم کے یہ سردار یہاں جمع ہوئے ہیں تاکہ کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر تمہارا جھگڑا طے ہو جائے اور آئندہ تم صلح و آشتی سے زندگی بسر کرو۔

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ اے محترم چچا! انہیں فرمائیں میری صرف ایک بات مان لیں، سارے عرب کے بھی یہ مالک بن جائیں گے اور سارا عجم بھی ان کا باج گزار بن جائے گا۔

ابوجہل جھٹ بولا: نعم وابیک وعشر کلمات" تیرے باپ کی قسم! ایک بات نہیں آپ ایسی دس باتیں بھی کہیں تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ حضور نے فرمایا: کہو!

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَتَخْلَعُوْنَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ

یعنی عبادت کے لائق کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے بغیر تم جن معبودوں کی پرستش کرتے ہو ان کو پرے پھینک دو۔

یہ سن کر اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور کہنے لگے: یَا مُحَمَّدُ! اَتُرِیْدُ اَنْ تَجْعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا؟ اِنَّ اَمْرَكَ لَعَجَبٌ۔

یعنی تم چاہتے ہو کہ ہم بہت سے خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانیں

یہ بڑی عجیب بات ہے۔"
آپس میں کہنے لگے کہ یہ شخص تمہارا کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کرے گا۔ چلو چلیں، تم اپنے عقیدہ پر پکے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے واپس چلے گئے۔

اُن کے چلے جانے کے بعد حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے پر کسی ناراضگی یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا:

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے کہا:

وَاللّٰہِ یَا ابْنَ اَخِیْ۔ مَا رَاَیْتُکَ سَاَلْتَھُمْ شَحَطًا۔

"یعنی میں نہیں دیکھتا کہ تم نے کسی غلط بات کا ان سے مطالبہ کیا ہے۔"
شطط اور شحط، قریب المعنی لفظ ہیں اَلشَّطَطُ تَبَاعُدٌ عَنِ الْحَقِّ، حق سے دور ہو جانا۔
آپ کی یہ بات سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ان کے بارے میں امید پیدا ہوئی اور انہیں فرمایا:

اَیْ عَمِّ! فَاَنْتَ فَقُلْھَا۔ اَسْتَحِلُّ لَکَ بِھَا الشَّفَاعَۃَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

اے چچا! آپ یہ کلمہ کہیئے، اس سے قیامت کے دن آپ کے لیے میری شفاعت روا ہو جائے گی۔"

انہوں نے جواب دیا: یَا ابْنَ اَخِیْ۔ لَوْلَا مَخَافَۃُ السُّبَّۃِ عَلَیْکَ وَعَلٰی بَنِیْ اَبِیْکَ مِنْ بَعْدِیْ وَاَنْ تَظُنَّ قُرَیْشٌ اَنِّیْ اِنَّمَا قُلْتُھَا جَزَعًا لِلْمَوْتِ لَقُلْتُھَا لَا اَقُوْلُھَا اِلَّا لِاُسِرَّکَ بِھَا۔

اے میرے بھتیجے! اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد تمہیں اور تیرے بھائیوں کو لوگ مطعون کریں گے اور قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے تو میں ضرور پڑھتا۔ اور میں یہ

کلمہ صرف تمہیں خوش کرنے کے لیے پڑھتا۔"

جب موت کا وقت قریب آگیا تو حضرت عباسؓ نے دیکھا کہ وہ اپنے ہونٹ ہلا رہے ہیں، انہوں نے کان لگا کر سنا اور عرض کیا۔

یَا ابْنَ اَخِیْ وَاللّٰہِ لَقَدْ قَالَ اَخِیْ الْکَلِمَۃَ الَّتِیْ اَمَرْتَہٗ اَنْ یَّقُوْلَھَا۔

اے میرے بھتیجے! بخدا، میرے بھائی نے وہی کلمہ پڑھا ہے جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا ہے۔"

آپ کی زندگی کے آخری لمحات، آپ کے قبیلہ کے سردار (سرکردہ افراد) اکٹھے ہیں۔ اس وقت آپ نے سب کو ایک وصیّت کی، جس سے آپ کی اولوالعزمی، بالغ نظری، حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ آپ کی شان فصاحت و بلاغت کے جلوے بھی نظر آتے ہیں جس کی اہمیّت اور افادیت کے پیش نظر اس کا لفظی ترجمہ پیش خدمت ہے۔

آپ نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے گروہ قریش! تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے چن لیا ہے۔ تم سارے عرب کا دل ہو۔ یہ اچھی طرح جان لو کہ تم نے تمام اچھی صفات اپنے اندر جمع کر لی ہیں۔ شرف و عزّت کے تمام مدارج تم نے پالئے ہیں انہیں گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے تمہیں دوسری قوموں پر برتری حاصل ہوئی .... میں تمہیں اس مکان (بیت اللہ شریف) کی تعظیم کی وصیّت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ اور اسی پر تمہاری معاش کا دارومدار ہے اور اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے۔ قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا، قطع رحمی سے باز رہنا۔ کیونکہ صلہ رحمی سے زندگی طویل ہوتی ہے اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغاوت سرکشی کو ترک کر دینا کیونکہ اسی وجہ سے

پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ جو دعوت دے اسکو قبول کرنا۔ سائل کو خالی نہ لوٹانا۔ کیونکہ اسی میں زندگی اور موت کی عزّت ہے۔ سچ بولنا، امانت میں خیانت نہ کرنا، ان خوبیوں کی وجہ سے خواص کے دلوں میں محبّت پیدا ہوتی ہے۔ اور عوام کے دلوں میں عزّت۔

میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ سارے قبیلہ قریش میں وہ الامین کے لقب سے ملقب ہے اور سارے اہلِ عرب اسے الصدّیق کہتے ہیں۔ جن خصائلِ حمیدہ کی میں نے وصیّت کی ہے۔ وہ ان تمام کا جامع ہے۔ بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مفلسوں، ناداروں اور دور دراز علاقوں میں رہنے والوں، کمزور اور ضعیف لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کرلیا ہے۔ اِس کے دین کی تعظیم کی ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں، اور قریش کے سردار پیچھے رہ گئے ہیں۔ اِن کے محلّات غیر آباد ہوگئے ہیں۔ عرب کے سارے باشندے ان کے ساتھ دِل سے محبّت کرنے لگے ہیں اپنے دلوں کو اس کی محبّت و عقیدت کیلیئے انہوں نے مخصوص کردیا ہے۔ اور اپنی زمامِ قیادت اس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

اے گروہِ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار اور دوست بن جاؤ۔ جنگوں میں اس کے حامی و ناصر بن جاؤ۔ خدا کی قسم جو شخص اس کی راہ پہ چلے گا ہدایت پاجائے گا۔ اور جو اس کے دین ہدایت کو قبول کرلے گا وہ نیک بخت اور بلند اقبال بن جائے گا۔ اگر میری زندگی میں کچھ گنجائش ہوتی اور میری موت میں کچھ تاخیر ہوتی تو میں ساری جنگوں میں اس کی کفایت کرتا اور تمام آلام و مصائب سے اس کا دفاع کرتا۔ ضیاء النبی جلد دوم صہ ۱۲۲ تا صہ ۱۲۳

اس وصیت کے بعد آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ؎۱

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا ایمان :

پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمۃ
سابق جسٹس سپریم کورٹ پاکستان

حضرت ابوطالب نے عمر بھر اپنی جان سے عزیز بھتیجے کی خدمات حسنِ وفا شعاری سے انجام دیں، اس کی نظیر ڈھونڈے سے بھی ملنی مشکل ہے۔ اعلانِ نبوت کے بعد سرکار دوعالم کو جن خارہ گداز مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا، اُن میں آپ نے حضور کو کبھی تنہا نہیں چھوڑا۔ ساری قوم کی مخالفت اور عداوت مول لی لیکن حضور کی رفاقت سے منہ نہیں موڑا۔ اپنا اثر و رسوخ، اپنا مال و متاع۔ اپنے اہل و عیال، سب کو حضور کے لیئے وقف کر دیا۔ شعب ابی طالب کی طویل اور رُوح فرسا تنہائی میں۔ ساری مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ہر قدم پر حضور کا ساتھ دیا، ہر نازک سے نازک مرحلہ پر دشمنوں کے ہر وار کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ اپنے خطبات میں حضور کی مدحت سرائی کرتے رہے۔ طویل قصیدے لکھے جن میں آج بھی ہاشمی و مطلبی فصاحت کے انوار دمک رہے ہیں۔ ان قصائد میں ایسے اشعار موزوں کیئے ہیں جنہوں نے بلغاءِ عرب اور فصحاءِ حجاز کو دم بخود کر دیا۔ ان تمام قصائد میں حضور کی تعریف و توصیف کے ایسے سُچے موتی پروئے جن کی چمک کے سامنے آسمان کے ستارے خجل ہیں۔ محبّت و عقیدت کے پھُولوں سے ایسے گلدستے تیار کیئے جن کی مہک سے آج بھی مشامِ جان معطّر ہو رہی ہے۔ جن کی نظر افروز رنگت آج بھی آنکھوں کو ضیاء بخش رہی ہے۔ اِن کے سارے کلام

؎۱ سُبل الھدیٰ والرّشاد —— جلد دوم، صفحہ ۵۶۵ بحوالہ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یں کہیں بُت پرستی اور بُت پرستوں کی ستائش نام کی کوئی چیز نہیں ۔ وہ اپنی عملی زندگی میں اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کے سامنے ہمیشہ ایک چٹان بن کر کھڑے رہے ۔جب آپ بستر مرگ پر پیک اجل کا انتظار کر رہے تھے ۔ اہل مکہ کا وفد حاضر ہو کر گزارش کرتا ہے ، ہمارے درمیان اور اپنے بھتیجے کے درمیان مصالحت کروا دیجئے ۔ مصالحت کیلئے حضور انہیں کلمۂ شہادت پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں وہ برافروختہ ہو کر چلے جاتے ہیں ۔ ابو طالب حضور کی اس دعوت کے بارے میں اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یوں اظہار فرماتے ہیں ۔

وَاللّٰہِ مَارَاَیتُکَ سَاَلتَھُم شَطَطًا

اور دمِ واپسیں سے پہلے اپنے قبیلے کے افراد کو جو آپ نے آخری وصیّت کی ہے اس کا مطالعہ ابھی آپ کر چکے ہیں صرف اس جملے پر ایک نظر ڈال لیجئے ۔

یَامَعشَرَ قُرَیشِ ! ابنُ اَبِیکُم ، کُونُوا لَہٗ وَلَاۃً وَلِحَربِہٖ حِمَاۃً وَاللّٰہِ لَا یَسلُکُ اَحَدٌ مِّنکُم سَبِیلَہٗ اِلَّا رَشَدَ وَلَا یَاْخُذُ اَحَدٌ بِھَدیِہٖ اِلَّا سَعِدَ

اے گروہِ قریش ! یہ تمہارے باپ کے بیٹے ہیں ، ان کے دوست بن جاؤ ۔ جنگوں میں ان کے حامی بن جاؤ ۔ بخدا ! تم میں سے جو شخص ان کے راستہ پر چلے گا ہدایت پائے گا اور جو شخص ان کی ہدایت کو قبول کرے گا وہ سعادت مند ہو جائے گا "۔

اس کے بعد آپ کے بے شمار اشعار میں سے مندرجہ ذیل چند شعر پڑھئے اور کہنے والے کے ایمان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ کو آسانی ہو گی ۔

اَلَم تَعلَمُوا اَنَّا وَجَدنَا مُحَمَّدًا نَبِیًّا کَمُوسٰی خُطَّ فِی اَوَّلِ الکُتُبِ

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ہے اور یہ بات پہلی کتابوں میں لکھی گئی تھی ۔

فَلَسْنَا وَرَبِّ الْبَيْتِ نُسْلِمُ اَحْمَدًا لِعَزَّاءٍ مِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا كَرْبٍ

اس گھر کے ربّ کی قسم، ہم وہ لوگ نہیں ہیں کہ احمد کو تمہارے حوالے کردیں زمانے کی شدّتوں اور تکلیفوں سے تنگ آکر۔

ایک اور قصیدہ میں شانِ محمّدی کو یوں اپنی کوثر و سلسبیل سے دھلی ہوئی زبان میں فرماتے ہیں۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

وہ روشن چہرے والے، جن کے چہرے کے وسیلہ سے بادل طلب کیا جاتا ہے جو یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کی آبرو ہے۔

وہ ہستی جس کا کردار اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ تھا اور جس کا منظوم کلام اس قسم کے دُرہائے شہوار سے بھرا ہوا ہے۔ ایسی ہستی پر کفر و شرک کا الزام لگانا بڑا کٹھن کام ہے۔

علّامۃ العصر امام محمّد ابوزہرا رحمۃ اللہ علیہ اپنی سیرت کی نادرہ روزگار کتاب "خاتم النبیّین"، میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: میں ان کی اس تصنیفِ لطیف کے ایک اقتباس کا ترجمہ ہدیۂ قارئین کرتا ہوں شاید اس موضوع پر شک و شبہ کی جو گرد پڑی ہوئی ہے وہ چھٹ جائے اور حقیقت کا رُخِ زیبا بے حجاب ہو جائے، اس موضوع پر تفصیل سے بحث کرنے کے بعد اس کا خلاصہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

اس بحث سے ہم تین نتائج تک پہنچے ہیں ان میں سے دو مسلّمہ ہیں اور تیسرا محلِ نظر ہے:

پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ ابوطالب اسلام کے حامی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دفاع کیا کرتے تے، اپنے اشعار میں انہوں نے حضور کی دعوت کی جو

مدح وثنا کی ہے ذات رسالت کیلیئے اور صحابہ کرام کے لیے جس محبّت اور پیار اور شفقت کا اظہار کیا ہے اور مخالفین کی کذب بیانیوں کی جس شدّ ومد سے تردید کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور صادق ہیں، راشد ہیں یعنی حضور سچّے ہیں اور راہِ ہدایت پر ہیں۔

دوسرا مسلّمہ نتیجہ یہ ہے کہ جب موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس مطالبہ کی صفائی پیش کی جو آپ نے مشرکین مکّہ سے کیا تھا اور دعوتِ محمّدی کے بعد یہ کہیں معلوم نہیں کہ آپ نے بتوں کی توصیف کی ہو۔ ساری زندگی حضور کی معیّت میں اذیّتیں برداشت کرتے رہے۔ اس کے ساتھ اس پاکیزہ محبّت اور اس شفقتِ ظاہر کو بھی ملحوظ رکھتے جو انہیں ذاتِ پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے تھی۔

تیسرا نتیجہ جو محلِ نظر ہے وہ یہ ہے کہ کیا آپ نے اپنی زبان سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ پڑھا۔ بے شک ایک روایت ایسی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی زبان سے یہ کلمہ پڑھا اور یہ وہی روایت ہے جس کے راوی حضرت عباس ہیں۔

بعض لوگوں نے اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت عباسؓ کے مقامِ رفیع پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرت عباسؓ کو جھوٹ سے متہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کی پناہ مانگتے ہیں کہ آپ کی ذات کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں خواہ وہ اسلام سے پہلے ہی ہو۔ کیونکہ آپ خاندانِ قریش کے سرتاج اور سردار تھے۔ اور ایک عام عربی بھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

کیا آپ نے امام بخاری کی وہ روایت نہیں پڑھی جس میں ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے دربار میں طلب کیا تاکہ حضور علیہ السّلام کے بارے میں چند استفسارات کرے، ابوسفیان کہتا ہے کہ میں نے بہت چاہا کہ آج موقع ہے میں سچ کے بجائے جھوٹ بولوں تاکہ ہرقل کی عقیدت حضور سے ختم ہو جائے لیکن اس خوف سے میں نے سچے جواب دیئے کہ کہیں اہل عرب مجھے جھوٹا نہ کہنے لگیں۔ اگر ابوسفیان جیسا آدمی جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کرسکتا تو حضرت عباس جیسی ہستی جو ہاشمی خاندان کا سرتاج اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محترم چچا ہے کیا اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس نے غلط بیانی سے کام لیا۔

امام ابوزہرہ یہاں علاّمہ ابن کثیر کی ایک رائے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں۔

علاّمہ ابن کثیر کہتے ہیں:

وَهُوَ فِي هٰذَا كُلِّهِ يَعْلَمُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَادِقٌ رَاشِدٌ وَلٰكِنْ مَعَ هٰذَا لَمْ يُؤْمِنْ قَلْبُهٗ وَفَرْقٌ بَيْنَ عِلْمِ الْقَلْبِ وَتَصْدِيْقِهٖ

ابوطالب ان تمام امور میں یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صادق ہیں۔ راشد ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کا دل ایمان نہیں لایا تھا۔ اور دل کے جاننے اور ماننے میں فرق ہے"

علاّمہ ابن کثیر کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں۔

گویا کہ ابن کثیر ابوطالب کے علم کو یہودیوں کے علم کے ساتھ تشبیہ دے رہے

ہیں۔ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَھُمۡ کہ یہودی حضور کو پہچانتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تھے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ حافظ ابن کثیر کے اس خیال کی مخالفت کروں اور یہود کے علم کو جس طرح انہوں نے حضرت ابوطالب پر منطبق کیا ہے اس کی تردید کروں۔

میں کہتا ہوں کہ ابوطالب کے علم میں اور یہود کے علم میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

ابوطالب کا علم ایسا ہے کہ جس کے ساتھ تصدیق اور یقین پایا جاتا ہے اور آپ کی ساری زندگی اور آپ کے سارے قصیدے اس بات کی تائید کرتے ہیں اس لیئے میں یہ کہتا ہوں۔

اِنَّہٗ لَا یُمۡکِنُ اَنۡ یَّکُوۡنَ مُشۡرِکًا قَطُّ

"کہ حضرت ابوطالب کا مشرک ہونا ممکن نہیں ہے"۔

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ آپ نے قریش کے اقوال کو مسترد کیا اور دعوتِ توحید کی تائید کی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ نے ساری عمر توحید اور اہلِ توحید کا دفاع کیا اور اس راستہ میں جتنی اذیتیں مسلمانوں نے برداشت کیں اتنی اذیتیں ابوطالب نے بھی برداشت کیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے صراحت سے یہ کہا کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور راشد ہیں اور اس بحث کے آخری پیرا میں فرماتے ہیں:

اب تک ہم نے جو لکھا ہے اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ آپ ہرگز مشرک

نہ تھے۔ کیونکہ مشرک وہ ہوتا ہے جو بتوں کی عبادت کرے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنائے اور آپ کی ساری زندگی اس بات کی شاہد عادل ہے کہ آپ بتوں اور ان کی پرستش کو باطل اور لغو سمجھتے تھے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی هُوَ الْعَلِیْمُ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وَمَا تُخْفِی الْاَنْفُسُ

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہیئے۔ کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

مَسْئَلَةُ اِسْلَامِهٖ خِلَافِيَّةٌ...... ثُمَّ اِنَّهٗ عَلَی الْقَوْلِ بِعَدَمِ اِسْلَامِهٖ لَا يَنْبَغِیْ سَبُّهٗ اَلتَّكَلُّمُ فِيْهِ بِفُضُوْلِ الْكَلَامِ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِمَّا يَتَاَذّٰى بِهِ الْعَلَوِيُّوْنَ۔ بَلْ لَا يَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِمَّا يَتَاَذّٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ نَطَقَتِ الْاٰيَةُ بِنَاءً عَلٰى هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ بِحُبِّهٖ اِيَّاهُ وَالْاِحْتِيَاطُ لَا يَخْفٰى عَلٰى ذِیْ فَهْمٍ

حضرت ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے اور جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں، انہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں کیونکہ اس سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور بعید نہیں کہ حضور سرور عالم کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو۔ ہر عقل مند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔"

(ضیاء النبی صفحہ ۴۲۶ جلد دوم بحوالہ روح المعانی تفسیر سورۃ القصص آیت ۵۵)

فاضلِ بریلوی کا اعترافِ خدمت

اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت و نصرت میں حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے جو مثالی خدمت سر انجام دی، یوں رقم طراز ہیں :

اِس میں شک نہیں کہ ابو طالب نے تمام عمر حضور سیّد المرسلین، سیّد الاوّلین و الآخرین سیّد الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم الی یوم القرار کی حفظ و حمایت و کفایت و نصرت میں صرف کی۔ اپنی اولاد سے زیادہ حضور کو عزیز رکھا اور اس وقت میں ساتھ دیا کہ ایک عالم حضورؐ کا دشمن ہو گیا تھا اور حضورؐ کی محبّت میں اپنے تمام عزیزوں قریبیوں سے مخالفت گوارا کی اور سب کو چھوڑ دینا قبول کیا، کوئی دقیقہ غمگساری، جانثاری کا نامرعی نہ رکھا اور یقیناً جانتے تھے کہ حضور افضل المرسلین صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلّم، اللہ تعالیٰ کے سچے رسُول ہیں، ان پر ایمان لانے میں جنّتِ ابدی اور تکذیب میں جہنّم دائمی ہے۔

بنو ہاشم کو مرتے وقت وصیّت کی کہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرو فلاح پاؤ گے۔ نعت شریف میں قصائد ان سے منقول اور ان میں براہ فراست وہ امور ذکر کیے کہ اس وقت واقع نہ ہوئے تھے، بعد بعثت شریف ان کا ظہور ہوا۔ یہ سب احوال مطالعہ احادیث و مراجعت کتبِ سیر سے ظاہر، ایک شعر ان کے قصیدے کا صحیح بخاری شریف میں بھی مروی ہے ؎

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وہ گورے رنگ والے جن کے روئے روشن کے توسّل سے مینہ برستا ہے
یتیموں کی جائے پناہ، بیواؤں کے نگہبان صلی اللہ علیہ وسلم[1]

[1] الصحیح البخاری ابواب الاستسقاء۔
قدیمی کتب خانہ کراچی جلد اوّل ص ۱۲۷
بحوالہ
فتاویٰ رضویہ جدید جلد ۲۹ ص ۶۵۷/۶۵۸

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں:

------ ہاں ابولہب و ابلیس لعنہما اللہ کی مثل کہنا محض افراط اور خونِ انصاف کرتا ہے، ابوطالب کی عمر خدمت و کفالت و نصرت و حمایت حضرتِ رسالت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیہ میں کٹی اور یہ ملاعنہ در پردہ و علانیہ درپے ایذا و اضرار رہے۔ کہاں وہ جس کا وظیفہ مدح و ستائش ہو اور کہاں وہ شقی جس کا ورد ذم و نکوہش ہو۔ ایک اگرچہ خود محروم اور اسلام سے مصروف مگر بتسخیر تقدیر نفع اسلام میں مصروف اور دوسرا مردود و متمرد و عدو و معاند ہمہ تن کسرِ بیضہ اسلام میں مشغوف ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا
(ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ت) ------

------ بلکہ دونوں کا ثبوت کفر بھی ایک سا نہیں، ابوطالب کے باب میں اگرچہ قولِ حق و صواب وہی کفر و عذاب، اور اُس کا خلاف شاذ و مردود

و باطل و مطرود، پھر بھی اس حد کا نہیں کہ معاذ اللہ خلاف پر تکفیر کا احتمال ہو اور ان اعداء اللہ کا کافر و ابدی جہنمی ہونا تو ضروریاتِ دین سے ہے جس کا منکر خود جہنمی کافر، تو فریقین کا نہ کفر یکساں نہ ثبوت یکساں، نہ عمل یکساں نہ سزا یکساں، ہر جگہ فرق زمین و آسمان، پھر مماثلت کہاں۔

نسأل الله سلوك سوی الصراط ونعوذ بالله من التفریط والافراط۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سیدھے راستے پر چلنے کا سوال کرتے ہیں، اور افراط و تفریط سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔(ت)

فتاویٰ رضویہ جدید جلد ۲۹، صفحہ نمبر ۷۴۰/۷۴۱

نوٹ: مذکورہ بالا عبارت میں یہ جملہ "کہ معاذ اللہ خلاف پر تکفیر کا احتمال ہو" گویا کہ آپ فرما رہے ہیں قائلینِ ایمانِ ابوطالب بلاشک و شبہ مومن ہیں۔ اُن پر کفر کا احتمال بھی نہیں ہے

مُلکِ سُخن کی شاہی تم کو رضاؔ مُسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

○

تقریظِ معظّمہ

از

عالی جناب شیخ الاسلام والمسلمین، حافظ القرآن والحدیث

حضور خواجہ محمّد قمر الدّین سیّالوی صاحب مدظلہ العالی

سجّادہ نشین آستانہ عالیہ سیّال شریف

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیُمِ: اَلحَمدُ للہ العَظیمِ الرَّجاء بالانجا، مِن جَمیعِ البلاءِ والعذاب والعِقَاب والبلواءِ والصّلوٰۃ والسَّلام علیٰ من وعدبہ بالعطاءِ لِکُلِّ مابہ رضائہ والقضاء سَیِّدُنا مُحَمَّدٍ حبیبہ ومحبوبہ فِی کل آوان الا ھولا سیّما یوم النّشور والجزاءِ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وعلیٰ جمیع الاولیاء من امّتہٖ والاتقیاءِ:

امّا بعدُ، فقد رأیت لبعض السّطور من کتاب المصنف للمولوی الصّائم جشتی عمّت میامنہ فی ثبوتِ الایمان لسیدنا ابی طالبؓ وصرت فرحانا من عزلہ مِن شرذمتہٖ قلیل القلم، بل معدوم حیث یصحیون یقول عدم الایمان لوالد امام الاولیاء لسیدنا و مولانا علی بن ابی طالبؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ویفرحون بھٰذہ التقولات النّافضۃ الضیۃ الجذذی والحقّ انّ مارتی من دلائل ایمانہ واذعانہ منہما احق بالتّسلیم وقدرتی ذلک

من صنف کتاباً بالموسوم باسنی المطالب فی نجات ابی طالب وَقد طبع ذالکَ الکتاب فی مِصر و مارتی بخاف ذالکَ فلا یدل علیَ المنکو الایمان کما ھُوَ الظّاھر عند من تامّل وَاللہُ وَرسُولہُ اَعلَم۔

محمّد قمرُ الدّین غفرلہٗ سیالوی

ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمام حمد و ثنا سزاوار ہے اس خدا کو جس سے تمام مصائبِ عذاب و القاب اور دکھوں میں نجات پانے کی بڑی امّید کی جاتی ہے اور صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات پر جس سے اللہ تعالیٰ نے ہر پسندیدہ چیز کے دیئے جانے کا وعدہ فرما رکھا ہے اور یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ سیّدنا محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہر آن خدا کے محبوب ہیں، بالخصوص یوم النشور و جزا کو اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب اور آپ کی اُمّت کے جمیع اولیاء و اتقیاء پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

امّا بعد! میں نے مولوی صائم چشتی صاحب کی تالیف شدہ کتاب کی بعض سطور کا مطالعہ کیا ہے جس میں سیّدنا ابو طالب کے ایمان کے ثبوت میں بہت بابرکت دلائل دیئے گئے ہیں تو مجھے اُن قلیل بلکہ معدوم قلمکاروں سے علیحدہ روش نے بہت خوش کیا ہے جو حضرۃ سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والدِ گرامی حضرت ابو طالب کے عدمِ ایمان پر شور مچاتے رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو طالبؓ کے ایمان و ایقان کے دلائل اس مقام پہ پہنچ چکے ہیں کہ انہیں تسلیم کئے بغیر چارہ ہی نہیں چنانچہ اس کے متعلق ایک اسنی المطالب فی نجات ابی طالب تصنیف کی گئی جو مِصر میں طبع ہو چکی ہے اور جو کچھ اس کے خلاف بیان کیا گیا ہے وہ اُن کے انکارِ ایمان پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ غور و فکر سے کام لینے والے پر یہ بات ظاہر اور عیاں ہے۔ واللہ اعلم ورسولہ

محمّد قمر الدین [illegible]

حضرت شیخ القرآن مولانا علامہ منظور احمد فیضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رقم طراز ہیں:

ابو طالب کے متعلق علماء و آئمہ اہلسنت کے تین قول ہیں۔ بعض کفر کے قائل ہیں اور بعض ان کے ایمان و اسلام کے قائل ہیں۔ یا قبل از وفات آخر وقت میں وہ مسلمان ہو گئے یا فوتگی تو کفر پر ہوئی بعدہ حضور نے ان کو زندہ کر کے دولت ایمان و اسلام سے مشرف فرمایا۔ جیسا کہ امام قرطبی نے تذکرہ میں اور امام شعرانی نے مختصر تذکرہ قرطبی میں اس کی تصریح کی ہے اور اخبار الاخیار للشیخ المحقق میں ہے نیز تفسیر روح البیان جلد ۴، صفحہ ۳۷۲، تحت اِنَّكَ لَا تَهْدِی وَ فی تفسیر سورۃ توبہ ایضاً جلد دوم ص۲۰ تحت انّ اللّٰہ لہٗ مُلکُ السَّمٰوٰت وَالْاَرض یُحْیِی وَیُمِیتُ وَمَا لَکُم مِن دُونِ اللّٰہِ مِن وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیرٍ (توبہ آیت ۱۱۶) و من قبلہ آیتین۔ و تفسیر روح البیان جلد اوّل ص ۲۰۰، ۲۰۱ تحت آیت وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ۱۲ منہ، اور ہامش نبراس میں ہے اور امام سید احمد بن زینی دحلان مفتی مکہ نے تو اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے اسنی المطالب فی نجات ابی طالب وغیرہ، یہ حضرات احادیث کفر کو قبل از اسلام پر محمول کرتے ہیں اور یہاں حضرت صدیق کا قول بھی قبل از اسلام پر محمول ہوگا۔

باقی رہی آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ تو یہ، نہ ابو طالب کے کفر پر دلالت کرتی ہے (کما قال الرازی فی تفسیرہ مفاتیح الغیب) اور نہ حضور علیہ السلام کے اختیار دہدایت دے سکنے کی نفی پہ، لقولہٖ تعالیٰ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (پ ۲۵، شوریٰ ۵۲) وَلِقولہٖ تعالیٰ وَلِکُلِّ

قَوْمٍ هَادٍ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آئِمَّةً یَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ؕ

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (پ۱۳ سورۃ ابراھیم ۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ اِنا آخذ بحجزکم (حدیث) وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰی اُمَّۃٌ یھدون بالحق پارہ ۹ اعراف ۱۵۹ فَمَنْ خَلَقْنَا اُمَّۃً یَّھْدُوْنَ بالحق، پارہ ۹ اعراف ۱۸۱ وغیر ذالکَ مِنَ الاٰیات انکَ لَاتَھْدِی کا یہ ترجمہ نہایت غلط ہے کہ تم ہدایت نہیں دے سکتے۔ ورنہ وَاللّٰہ لَا یَھْدِی القوم الظٰلِمِیْن۔ پ۳، البقرۃ ۲۵۸ وَغَیْرَ ذٰلکَ مثلہ کا ترجمہ بھی یہی ہوگا کہ "اللہ قوم ظالمین کو ہدایت نہیں دے سکتا" کیونکہ حضور کے حق میں لاتھدی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی لَا یَھْدِی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ رضا اور مشیّت میں فرق ہے۔ یعنی پسندیدگی اور ارادہ میں فرق ہے۔ ہدایت دینا مشیّت پر موقوف ہے نہ حب و رضا پہ جس طرح حضور کو ابوطالب کا ایمان واسلام پسند تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندوں کا اسلام پسند ہے نہ کہ کفر، کما قال اللہ تعالیٰ وَلَا یَرْضٰی عَنْ عِبَادِہِ الْکُفْر یہی وجہ ہے کہ یوں فرمایا۔ انک لا تھدی من اَحْبَبْتَ وٰلکن اللہ یھدی مَن یَّشاءُ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کا ثبوت تو مشیّت سے بیان فرمایا اور لا تھدی کو اَحْبَبْتَ سے اس طرح نہ فرمایا کہ اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ تَشَاءُ وٰلکنَّ اللّٰہ یَھْدِی مَنْ یَّشَاءُ اور یوں بھی نہ فرمایا: اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وٰلکنَّ اللّٰہَ یَھْدِی مَنْ یُّحِبُّ حضور کی مشیّت چونکہ مشیّتِ ایزدی کے تابع ہے۔ لہٰذا جہاں وہ ہدایت نہیں چاہتا وہاں حضور بھی ہدایت نہیں چاہتے یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندوں سے اسلام پسند ہے اور حضور کو بھی ان کا اسلام پسند ہے لیکن ہدایت کا ملنا پسندیدگی پہ نہیں بلکہ وہ مشیّت پہ ہوتا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ حضور کسی کی ہدایت چاہیں

اور حضور کا چاہا پورا نہ ہو اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہو۔ بقولہ تعالیٰ وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ (اے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم) وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ لَھُمْ مَا یَشَآؤُنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔ وَلِقَوْلِ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہا "مَا اَرٰی رَبَّکَ اِلَّا یُسَارِعُ فِیْ ھَوَاکَ" رواہ البخاری، مشکوٰۃ۔ وَقَالَ الْاِمَامُ السُّبْکِی فِیْ شِفَاءِ السِّقَامِ صفحہ ۱۷۸، تحت آیت اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ وَلَیْسَ عَلَیْکَ خَلْقَ ھِدَایَتِہٖ اھ (تطلق (لفظ الھدایۃ) علیٰ خلق الاھتداء وھو التوفیق وذٰلک مختص باللہ وَلِذَا قَالَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (زرقانی علی المواھب جلد سوم ص ۱۷۲

آیت کی یہ توضیح علماء کرام کے ارشاداتِ عالیہ کے مطابق ہے اور عرفاء عظام کچھ اور ہی ارشاد فرماتے ہیں وہ یہ کہ میں نے آقائے نعمت مصدرِ رافت سلطان المدبّرین، امام الواصلین، غرقِ بحرِ مشاہدہ حضرت سیّدی خواجہ غلام یٰسین دام ظلہ علی لامعہ سجّادہ نشین بارگاہِ عالیہ فیضیہ شاہ جمالیہ سے سُنا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے والدِ مکرّم مجمع البحرین جامع الطریقین قطبِ وقت غوثِ زمانہ محققِ یگانہ عاشقِ رسول عارفِ مقبول حضرت قبلہ سیّدنا و مولانا فیض محمّد شاہ جمالی قدس سرہ العالی مجھے فلاں (جس کا نام فقیر فیضی کو بھول گیا) منتہی کتاب پڑھا رہے تھے۔ اس میں ہدایت کا مسئلہ چلا، آپ نے فرمایا، اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَا کا مطلب عرفاء کے قول کے مطابق یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی ہدایت کو اپنی ہدایت بتا رہا ہے یعنی اے محبوب جس کو آپ ہدایت دیتے ہیں۔ آپ نہیں دیتے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے۔ آپ کا ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا ہدایت دینا ہے۔ فرمایا یہ آیت وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی کی طرح ہے۔ وہاں رمیِ سیّدِ عالم کو اپنی رمی کہا گیا۔ یہاں اُن کی ہدایت کو اپنی ہدایت۔ خلاصہ یہ کہ حضور ایسے فنافی اللہ کے مقام میں ہیں

کہ دونوں کی رمی و ہدایت میں یک جہتی و اتحاد ہے وہاں ما رمیت یہاں لاتہدی وہاں اذ رمیت، یہاں من احببت، وہاں ولکن اللہ رمیٰ اور یہاں ولکن اللہ یهدی من یشاء ثم رایت نحوہ فی جواهر البحار جلد ۳ ص ۲۶۲ للنبہانی قدس سرہ النورانی فاحفظ فانہ رلہ) قال القاری فی المرقات جلد ۵ ص ۳۶۴ باب فضائل سید المرسلین فصل اوّل نحوہ انظر وعبارتہ فی الملحقہ لیکن یہ خیال رہے کہ علمائے ظاہر و علمائے باطن کے دونوں جوابوں کا خلط ملط نہ ہو۔ خصوصًا لفظ احببت پہ، کیونکہ یہ قانون ہے، لامناقشۃ فی الاصطلاح اور بعض علماء اہلسنت ابو طالب کے معاملہ کو معمّہ سمجھتے ہوئے توقف کرتے ہیں۔ کما قال الشیخ المحقق فی مدارج النبوت ۱۲ر کتبہ، محمد منظور احمد فیضی بقلمہ۔

ضمیمہ : اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ ------

(۱) قَالَ القاری فی المرقات جلد ۵ صفحہ ۳۶۴ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الاول ملخصًا ومفہمًا کلام الطیبی،

قد ینسب الهدایة الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نظرَ الیٰ کونہ من اسباب الهدایہ ومنہ قولہ سبحانہ " وانک لتهدی "، وتنفی عنہ اُخریٰ نظرا الیٰ ان حقیقہ الهدایة راجعۃ الی اللہ تعالیٰ ومنہ قولہ سبحانہ انک لا تهدی من احببت فیکون من قبیل قولہ تعالیٰ وما رمیت اذ رمیت ای

مَا رَمَیْتَ خلقًا وحقیقۃ اِذ رمیت کسبًا وصورۃ ولٰکنَّ اللّٰہ رمٰی حیثُ جعلکَ قادرًا علی الرّمی وفاعلًا لہٗ والاظھران نفی الھدایۃ عنہُ انمّا ھو بالنّسبۃ الٰی من لّم یُرِد اللّٰہ الھدایۃ واثباتھا لہٗ فیمن ارادہ لھٰذا فلا منافاۃ فھو صلی اللّٰہ علیہ وسلّم مظھر ھدایۃ

وایضًا فی المرقات رجحۃ القاری آخرا :

واجیب بانّہ (اِنَّکَ لَا تَھْدِی الآیۃ) ومَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ الخ

النّبراس شرح عقائد ص ۳۰۶

مقام رسول (مکتبہ محمدیہ سعید آباد) احمد پور شرقیہ ص ۷۱۴ تا ۷۱۸

سوال وجواب

سَیِّدِی یَا اَبَا الْبَتُولِ سُؤَالٌ

مِنْ فَقِیْرٍ جَوَابُہُ الْاِعْطَاءُ

میرے آقا، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بابا جان! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

فقیر کا ایک سوال ہے جس کا جواب عطا ہے۔

○ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

القصیدہ فی نعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِيهِمْ
وَقَدْ قَطَعُوا كُلَّ الْعُرَى وَالْوَسَائِلِ

وَقَدْ صَارَحُونَا بِالْعَدَاوَةِ وَالْأَذَى
وَقَدْ طَاوَعُوا أَمْرَ الْعَدُوِّ الْمُزَايِلِ

وَقَدْ حَالَفُوا قَوْمًا عَلَيْنَا أَظِنَّةً
يَعَضُّونَ غَيْظًا خَلْفَنَا بِالْأَنَامِلِ

صَبَرْتُ لَهُمْ نَفْسِي بِسَمْرَاءَ سَمْحَةٍ
وَأَبْيَضَ عَضْبٍ مِنْ تُرَاثِ الْمُقَاوِلِ

وَأَحْضَرْتُ عِنْدَ الْبَيْتِ رَهْطِي وَإِخْوَتِي،
وَأَمْسَكْتُ مِنْ أَثْوَابِهِ بِالْوَصَائِلِ

قِيَامًا مَعًا مُسْتَقْبِلِينَ رِتَاجَهُ
لَدَى حَيْثُ يَقْضِي خَلْفَهُ كُلُّ نَاقِلِ

وَحَيْثُ يُنِيخُ الْأَشْعَرُونَ رِكَابَهُمْ
بِمُفْضَى السُّيُولِ مِنْ إِسَافٍ وَنَائِلِ

اوّلین نعتیہ قصیدہ

۱۔ اور جب میں نے اپنی قوم کو دیکھا، جس نے ہر طرح سے ہمارا بائیکاٹ کر دیا ہے اور تمام تعلقات و روابطِ رشتہ داری ختم کر دیئے ہیں نیز ان میں کسی قسم کی محبت نہیں رہی۔

۲۔ اور انہوں نے کھلی دشمنی اختیار کر لی ہے اور تکالیف پہنچانے کا آپس میں عہد کرتے ہوئے ہمارے دشمن کے مقاصد پورے کرنے لگے ہیں۔

۳۔ اور انہوں نے ہمارے اُن مخالفین سے معاہدے کر لیئے ہیں جو ہماری موجودگی میں غیض و غضب سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔

۴۔ تاہم پھر بھی میں نے صبر کا دامن تھامے رکھّا، نیز اپنے اسلاف کی چمکیلی تلواروں کو، چمکدار نیزوں کو روکے رکھّا۔

۵۔ اور میں نے بیت اللہ شریف کے پاس اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو بلایا اور اس کی سُرخ دھاری دار چادروں (غلافِ کعبہ) کو پکڑا۔

۶۔ تمام لوگ بیت اللہ شریف کے دروازے کی طرف اپنے چہرے کیئے کھڑے تھے جہاں انسان اپنی بے گناہی ثابت کرنے کیلئے حلف اٹھاتا ہے۔

۷۔ جہاں زائرین اپنے اونٹ بٹھاتے ہیں، اساف اور نائلہ نامی بتوں کے پاس، سیلابوں کی جگہ۔

۸۔ ایسے اونٹ جن کی گردنوں اور بازوؤں میں (قلائد) قربانی کی نشانیاں ہوتی ہیں، اور جن کی عمریں آٹھ، نو سال کے مابین ہیں۔

موسمة الاعضاد او قصراتها
مخيسة بين السديس وبازل
ترى الودع فيها والرخام وزينة
باعناقها معقودة كالعثاكل
اعوذ برب الناس من كل طاعن
علينا بسوء او ملح بباطل
ومن كاشح يسعى لنا بمعيبة
ومن ملحق في الدين ما لم نحاول
وثور ومن ارسى ثبيرا مكانه
وراق ليرقى في حراء ونازل
وبالبيت حق البيت من بطن مكة
وبالله ان الله ليس بغافل
وبالحجر المسود اذ يمسحونه
اذا اكتنفوه بالضحى والاصائل
وموطئ ابراهيم في الصخر رطبة
على قدميه حافيا غير ناعل
واشواط بين المروتين الى الصفا
وما فيهما من صورة وتماثل
ومن حج بيت الله من كل راكب
ومن كل ذي نذر ومن كل راجل

۹۔ اور ان کی زیب وزینت اور خوبصورتی کے لیئے مختلف طریقے اپنائے جاتے ہیں، موتی اور سنگِ رخام (نام قیمتی پتھر) کھجوروں یا انگور کے گچھوں کی شکل دکھائی دیتے ہیں جو باہم ملے ہوتے ہیں۔

۱۰۔ میں پروردگارِ عالم کی پناہ چاہتا ہوں، ہر اُس شخص سے جو ہم پر برائی کے الزام لگائے، باطل اور ناحق پر اصرار کرے۔

۱۱۔ اور ایسے کمینے شخص سے جو ہم پر عیب لگائے اور ہمیں ایسے دین میں شامل کرے جس کے متعلق ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں۔

۱۲۔ میں اُس ذاتِ اقدس سے پناہ طلب کرتا ہوں جس نے جبلِ ثور، ثبیر، عبیر اور حرا (جبلِ نور) کو ان کی جگہ قائم فرمایا۔ اور میں رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پناہ چاہتا ہوں جو جبلِ حرا (غارِ حرا) پر آتے جاتے ہیں۔

۱۳۔ بیت اللہ اور بیت اللہ کے حق کی پناہ جو وادیٔ مکہ میں واقع ہے، اور اللہ تعالیٰ کی پناہ، بے شک وہ اپنے بندوں سے قطعاً غافل نہیں ہے۔

۱۴۔ اور حجرِ اسود کی پناہ جسے لوگ شب و روز چومتے ہیں اور اس پر (حصولِ برکت کیلئے) اپنے ہاتھ پھیرتے رہتے ہیں۔

۱۵۔ اور مقامِ ابراہیم (علیہ السّلام) کی پناہ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے ننگے پاؤں رکھے تو وہ ان کے لیئے اتنا نرم ہو گیا کہ آپ کے مبارک پاؤں کے نشان ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے محفوظ ہو گئے۔

۱۶۔ اور وہ قدم جو صفا و مروہ کے درمیان سعی کے لیئے اٹھائے جاتے ہیں۔ (جہاں لوگوں کی تصویریں وغیرہ بنا رکھی ہیں) اُن کی پناہ۔

۱۷۔ اور ان لوگوں کی پناہ جو بیت اللہ شریف کا حج کرنے کے لیئے سوار یا پیادہ اپنی نذریں پیش کرنے کے لیئے حاضر ہوتے ہیں۔

وَبِالمَشْعَرِ الأَقْصَى إِذَا عَمَدُوا لَهُ
إِلاَلٍ إِلَى مُفْضَى السَّرَاجِ القَوَابِلِ

وَتَوْقَافِهِمْ فَوْقَ الجِبَالِ عَشِيَّةً
يُقِيمُونَ بِالأَيْدِي صُدُورَ الرَّوَاحِلِ

وَلَيْلَةِ جَمْعٍ وَالمَنَازِلِ مِنْ مِنًى
وَهَلْ فَوْقَهَا مِنْ حُرْمَةٍ وَمَنَازِلِ

وَجَمْعٍ إِذَا مَا المُقْرَبَاتُ أَجَزْنَهُ
سِرَاعًا لَمَا يَخْرُجْنَ مِنْ وَقْعِ وَابِلِ

وَبِالجَمْرَةِ الكُبْرَى إِذَا صَمَدُوا لَهَا
يَؤُمُّونَ قَذْفًا رَأْسَهَا بِالجَنَادِلِ

وَكِنْدَةَ إِذْ هُمْ بِالحِصَابِ عَشِيَّةً
تُجِيزُ بِهِمْ حُجَّاجَ بَكْرِ بْنِ وَائِلِ

حَلِيفَانِ شَدَّا عَقْدَ مَا احْتَلَفَا لَهُ
وَرَدَّ عَلَيْهِ عَاطِفَاتُ الوَسَائِلِ

وَحَطْمِهِمْ سُمْرَ الرِّمَاحِ وَسَرْحَهُ
وَشِبْرِقَهُ وَخْدَ النَّعَامِ الجَوَافِلِ

فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا مِنْ مَعَاذٍ لِعَائِذٍ
وَهَلْ مِنْ مُعِيذٍ يَتَّقِي اللهَ عَاذِلِ

يُطَاعُ بِنَا العُدَّى وَوَدُّوا لَوْ أَنَّنَا
تُسَدُّ بِنَا أَبْوَابُ تُرْكٍ وَكَابُلِ

۱۸- اور میدانِ عرفات اور مشعر الحرام کی پناہ، جب لوگ وہاں کا قصد کرتے ہیں اور وہاں پر ان کے قیام کے مقام کی پناہ جہاں سواریوں کے سامنے والے حصّہ کو تھامے، سیدھا کرتے ہیں۔

۱۹- اور اس شبِ مبارکہ (مزدلفہ) میں قیام کرتے ہیں اور پھر وہاں سے منیٰ شریف میں ٹھہرتے ہیں۔ کیا ان مقامات سے بڑھ کر بھی کوئی باعظمت مقام ہے؟

۲۰- اور ان مقاماتِ مقدسہ کی پناہ جہاں تیز رفتار گھوڑے عمدہ جگہ حاصل کرنے کیلئے دوڑتے ہیں جیسے موسلادھار بارش سے بچنے کے لیئے لوگ بھاگتے ہیں۔

۲۱- اور بڑے جمرہ کی، جب لوگ وہاں جانے کا قصد کرتے ہیں اور اس کے سر پر کنکریاں مارتے ہیں۔

۲۲- اور بنی کندہ کی، جب وہ بوقتِ شام کنکر پھینکنے کی جگہ پر ہوتے ہیں، اور بنی بکر اور بنی کندہ کے لوگ حج کرنے کے لیئے ان کے قریب سے گزرتے ہیں۔

۲۳- اور وہ دونوں قبیلے ایسے حلیف ہیں کہ جب انہوں نے کسی بات پر حلف اٹھایا تو اسے یوں مضبوط کیا کہ تمام تر وسائل کو اپنی جانب پھیر لیا۔

۲۴- اور دامنِ کوہ کے موز کے درختوں اور تیز رفتار شتر مرغ کی چال سے ان کو توڑ دینے کی پناہ۔

۲۵- کیا پناہ لینے والے کے لیئے اِن پناہ گاہوں کے علاوہ بھی کوئی پناہ گاہ ہے؟ کیا کوئی انصاف پسند ایسا نہیں رہا جو اللہ تعالیٰ سے خوف کھائے۔ (یعنی ان لوگوں کو سمجھائے کہ رسولِ خدا کو تکلیف نہ پہنچائیں)

۲۶- (مگر اب حالت یہ ہو چکی ہے) کہ ہمارے دشمنوں کی بات مانی جاتی ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے ترک اور کابل کے دروازے بند

كَذَبتُم وَ بَيتِ اللهِ نَترُكُ مَكَّةً
وَنَظعَنَ اِلّا اَمرُكُم فِى بَلَابِلِ

كَذَبتُم وَبَيتِ اللهِ نُبذى مُحَمَّدًا
وَلَمَّا نُطَاعِن دُونَهُ وَ نُنَاضِلِ

وَنُسَلِّمَهُ حَتّىٰ نُصَرَّعَ حَولَهُ
وَنَذهَلُ عَن ابنَائِنَا وَالحَلَائِلِ

وَيَنهَضَ قَومٌ فَالحَدِيدِ اِلَيكُمُ
نُهُوضَ الرَّوَايَا تَحتَ ذَاتِ الصَّلَاصِلِ

وَحَتّىٰ نُرىٰ ذَا الضَّغنِ يَركَبُ رَدعَهُ
مِنَ الطَّعنِ فِعلَ الاَنكَبِ المُتَحَامِلِ

وَاِنِّى لَعَمرُ اللهِ اِن جَدَّ مَا اَرىٰ
لَتَلتَبِسَن اَسيَافُنَا بِالاَمَاثِلِ

بِكَفِّ امرِءٍ مِثلِ الشِّهَابِ سَمَيذَعٍ
اَخِى ثِقَةٍ حَامِى الحَقِيقَةِ بَاسِلِ

شُهُورًا وَّ اَيَّامًا وَحَولًا مُجَرَّمًا
عَلَينَا وَ تَاتِى حِجَّةٌ بَعدَ قَابِلِ

وَمَا تَرِكُ قَومٍ، لَا اَبَالَكَ سَيِّدًا
يَحُوطُ الذِّمَارَ غَيرَ ذَربٍ مُوَاكِلِ

وَاَبيَضَ يُستَسقىٰ الغَمَامُ بِوَجهِهِ
ثِمَالُ اليَتَامىٰ عِصمَةٌ لِلاَرَامِلِ

ہو جائیں (یعنی اکناف و اطراف سے ہمارے لیئے زمین تنگ کر دی جائے۔

۲۷۔ بیت اللہ کی قسم، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم مکّہ کو چھوڑ دیں، یہ ان (قریش) کی خام خیالی ہے۔

۲۸۔ ربِّ کعبہ کی قسم! یہ تمہارا غلط خیال ہے کہ ہم محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا ساتھ چھوڑ دیں گے بلکہ ہم ان کی حمایت میں تمہارے ساتھ نیزوں اور تلواروں سے مقابلہ کریں گے۔

۲۹۔ ہم ان کی مدد اور نصرت کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کے سامنے جانیں قربان کر دیں گے اور اپنے اہل وعیال کی بھی پرواہ نہیں کریں (خواہ ان سے جُدا ہونا پڑے)

۳۰۔ اگر بالفرض ہم مر بھی جائیں) تو تمہارے مقابلے میں ایسے لوگ اٹھیں گے جیسے پانی پلانے والی اونٹنیاں آواز کرنے والی پکھالوں کے نیچے سے انہیں لے کر اٹھتی ہیں۔

۳۱۔ حتّٰی کہ ہم دیکھیں گے کینہ پرور لوگوں کے کینوں کو اپنے نیزوں سے انہیں ختم کر دیں گے اور دشمن منہ کے بل زمین پر گریں گے۔

۳۲۔ اور اللہ کی قسم میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں، ہماری تلواریں قریش کے سرداروں سے رنگین ہونے والی ہیں۔

۳۳۔ اور وہ تلواریں ایسے بہادروں کے ہاتھ ہوں گی (جو شہابِ ثاقب) کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہ ہر طرح سے قابلِ اعتماد ہوں گے، حق وصداقت کے حامی اور شجاعت کے پیکر۔

۳۴۔ یہ بہادر مقابلہ میں ایسا طول پکڑیں گے کہ دن مہینوں، مہینے سالوں میں بدل جائیں گے اور ایک سال کے بعد دوسرا سال آجائے گا۔

يَلُوْذُ بِهٖ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
فَهُمْ عِنْدَهٗ فِیْ رَحْمَةٍ وَ فَوَاضِلِ

لَعَمْرِیْ لَقَدْ اَجْرٰی اَسِیْدٌ وَبَكْرُهٗ
اِلٰی بُغْضِنَا، وَجَزَّآنَا لِآكِلِ

وَعُثْمَانُ لَمْ يَرْبَعْ عَلَيْنَا وَقُنْفُذٌ
وَلٰكِنْ اَطَاعَا اَمْرَ تِلْكَ الْقَبَائِلِ

اَطَاعَا اُبَيًّا وَابْنَ عَبْدِ يَغُوْثِهِمْ
وَلَمْ يَرْقُبَا فِيْنَا مَقَالَةَ قَائِلِ

كَمَا قَدْ لَقِيْنَا مِنْ سُبَيْعٍ وَنَوْفَلٍ
وَكُلٌّ تَوَلّٰی مُعْرِضًا لَمْ يُجَامِلِ

فَاِنْ يُلْفَيَا اَوْ يُمْكِنِ اللّٰهُ مِنْهُمَا
نَكِلْ لَهُمَا صَاعًا بِصَاعِ الْمُكَايِلِ

وَذَاكَ اَبُوْ عَمْرٍو اَبٰی غَيْرَ بُغْضِنَا
لِيُظْعِنَنَا فِیْ اَهْلِ شَاءٍ وَجَامِلِ

يُنَاجِیْ بِنَا فِیْ كُلِّ مُمْسًی وَمُصْبَحٍ
فَنَاجِ اَبَا عَمْرٍو بِنَا ثُمَّ خَاتِلِ

وَيُؤْلِیْ لَنَا بِاللّٰهِ مَا اِنْ يَغُشُّنَا
بَلٰی قَدْ تَرَاهُ جَهْرَةً غَيْرَ حَائِلِ

اَضَاقَ عَلَيْهِ بُغْضُنَا كُلَّ تَلْعَةٍ
مِنَ الْاَرْضِ بَيْنَ اَخْشَبٍ فَمَجَادِلِ

۳۵۔ تیرا باپ مَرے : ایسے (سیّد و سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑ دینا کیسی بد بختی ہے، جو اچھائی کی رہنمائی کرتا ہے، نہ فتنہ پرور ہے اور نہ ہی اپنا کام دوسروں پر چھوڑنے والا ہے۔ (یاد رکھو خواہ کچھ بھی ہو ہم لوگ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو کبھی نہ چھوڑیں گے)

۳۶۔ جن کی رنگت سفید ہے، جن کے رُخِ انور کے وسیلہ سے بارش کی بھیک مانگی جاتی ہے جو یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔

۳۷۔ خاندانِ بنی ہاشم کے ستم رسیدہ افراد اسی کے دامنِ کرم میں پناہ لیتے ہیں وہ لوگ آپ کے پاس ہر قسم کے انعامات و احسانات سے مالا مال کر دیئے جاتے ہیں۔

۳۸۔ مجھے اپنی جان کی قسم! اُسید اور اس کی جماعت کے لوگوں نے ہماری دشمنی میں ایسا اقدام کیا ہے کہ (پوری قوم سے) کاٹ کر گویا کہ کھانے والوں کے سامنے ہمیں کاٹ کر رکھ دیا ہے۔

۳۹۔ عثمان نے تو ہماری طرف کوئی توجہ ہی نہیں کی، نہ ہی قُنفذ نے، بلکہ انہوں نے ان ہی قبائل کی فرماں برداری کی۔

۴۰۔ بلکہ انہوں نے اُبَیّ اور ابنِ عبدِ یغوث (جیسے بدسرشت) کی بات مانی اور کسی بھی بات کی طرف دھیان نہ دیا۔

۴۱۔ جیسے سُبیع اور نوفل (جیسے بدمعاشوں) کا بھی اپنے ساتھ تکلیف دہ برتاؤ دیکھا۔ یہ سبھی ہم سے کنارہ کش ہیں، ان میں سے کوئی بھی ہمارے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش نہ آیا۔

۴۲۔ پھر اگر کسی وقت ان لوگوں سے ہمارا آمنا سامنا ہو تو، یا اللہ! ہمیں ان سے پورا پورا حساب چکانے کی توفیق عطا فرما۔

۴۳۔ یوں ہی ابو عمرو بھی ہمارے ساتھ مسلسل دشمنی کرتا رہتا ہے اور

وَسَائِلُ اَبَا الْوَلِيدِ مَاذَا حَبَوْتَنَا
بِسَعِيكَ فِينَا مُعْرِضًا كَالْمُخَاتِلِ
وَكُنْتَ امْرَأً مِمَّنْ يُعَاشُ بِرَأْيِهِ
وَرَحْمَتِهِ فِينَا وَلَسْتَ بِجَاهِلِ
عُتْبَةُ لَا تَسْمَعْ بِنَا قَوْلَ كَاشِحٍ
حَسُودٍ كَذُوبٍ مُبْغِضٍ ذِي دَغَاوِلِ
وَمَرَّ اَبُو سُفْيَانَ عَنِّيَ مُعْرِضًا
كَمَا مَرَّ قَيْلٌ مِنْ عِظَامِ الْمَقَاوِلِ
يَفِرُّ اِلَى نَجْدٍ وَبَرْدِ مِيَاهِهِ
وَيَزْعُمُ اَنِّي لَسْتُ عَنْكُمْ بِغَافِلِ
وَيُخْبِرُنَا فِعْلَ الْمُنَاصِحِ اَنَّهُ
شَفِيقٌ وَيُخْفِي عَارِمَاتِ الدَّوَاخِلِ
اَمُطْعِمُ، لَمْ اَخْذُلْكَ فِي يَوْمِ نَجْدَةٍ
وَلَا مُعْظِمٍ عِنْدَ الْاُمُورِ الْجَلَائِلِ
جَزَى اللّٰهُ عَنَّا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا
عُقُوبَةَ شَرٍّ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلِ
بِمِيزَانِ قِسْطٍ لَا يُخِسُّ شَعِيرَةً
لَهُ شَاهِدٌ مِنْ نَفْسِهِ غَيْرُ عَائِلِ
لَقَدْ سَفِهَتْ اَحْلَامُ قَوْمٍ تَبَدَّلُوا
بَنِي خَلَفٍ قَيْضًا بِنَا وَالْغَيَاطِلِ

اس کی خواہش ہے کہ ہم یہاں سے اپنے مال مویشی لے کر خانہ بدوشوں میں جا بسیں۔

۴۴۔ یہ شخص شب و روز منافقانہ باتیں کرتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی آتا ہے اور دھوکہ بازی سے باز نہیں آتا۔

۴۵۔ قسمیں کھا کر ہمیں کہتا ہے کہ دھوکہ نہیں دوں گا، مگر ہم تو بے پردہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کھل کر دشمنی کر رہا ہے۔

۴۶۔ ہماری دشمنی میں کوہِ اخشب اور کوہ مجادل (عراق و شام) تک کی درمیانی زمین اس کی نگاہوں میں تنگ ہو چکی ہیں۔

۴۷۔ (اے لوگو!) ابو ولید سے پوچھو کہ تو نے دھوکہ بازوں کی طرح ہمارے خلاف کوشش کر کے ہمیں کیا نقصان پہنچایا؟

۴۸۔ تجھے اِن باتوں سے کیا حاصل ہوا؟ جبکہ تم صاحبِ رائے شخص سمجھے جاتے تھے اور ہم اس بات سے ناواقف نہیں۔

۴۹۔ اے عُتبہ! (خدارا) ہمارے خلاف، کینہ پرور، حاسدین، جھوٹوں، عداوت رکھنے والے دھوکہ بازوں کی باتیں نہ سُنو۔ (ایسا نہ ہو کہ ان کی باتوں میں آکر ہم کسی بڑے معرکہ میں مدِّمقابل ہوں)

۵۰۔ اور ابوسفیان! مجھ سے ایسے منہ موڑ کر گزرتا ہے جیسے کوئی بڑا آدمی ہو، (یعنی نہایت متکبّرانہ انداز میں)

۵۱۔ کبھی وہ نجد کی طرف بھاگتا ہے اور کبھی ٹھنڈے میٹھے پانی کے لیئے اونچے مقامات پر اور دعوٰی کرتا ہے کہ میں تم سے غافل نہیں۔

۵۲۔ (تاہم صورتِ حال یہ ہے کہ) بظاہر خیر خواہوں کی طرح ہمیں محسوس کراتا ہے کہ وہ شفیق اور مہربان ہے جبکہ اسکے دل میں خباثت پوشیدہ ہے۔

وَنَحْنُ الصَّمِيمُ مِنْ ذُؤَابَةِ هَاشِمٍ
وَآلِ قُصَيٍّ فِي الخُطُوبِ الأَوَائِلِ

وَسَهْمٌ وَمَخْزُومٌ تَمَالَوْا وَأَلَّبُوا
عَلَيْنَا العِدَا مِنْ كُلِّ طِمْلٍ وَخَامِلِ

فَعَبْدَ مَنَافٍ، أَنْتُمْ خَيْرُ قَوْمِكُمْ
فَلَا تُشْرِكُوا فِي أَمْرِكُمْ كُلَّ وَاغِلِ

لَعَمْرِي لَقَدْ وَهَنْتُمُ وَعَجَزْتُمْ
وَجِئْتُمْ بِأَمْرٍ مُخْطِئٍ لِلْمَفَاصِلِ

وَكُنْتُمْ حَدِيثًا حَطْبَ قِدْرٍ وَأَنْتُمْ
أَلَانَ حِطَابُ أَقْدُرٍ وَمَرَاجِلِ

لِيَهْنِ بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ عُقُوقُنَا
وَخِذْلَانُنَا وَتَرْكُنَا فِي المَعَاقِلِ

فَإِنْ نَكُ قَوْمًا نَتَّئِرْ مَا صَنَعْتُمُ
وَتَحْتَلِبُوهَا لِقْحَةً غَيْرَ بَاهِلِ

وَسَائِطُ كَانَتْ فِي لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ
نَفَاهُمْ إِلَيْنَا كُلُّ صَقْرٍ حُلَاحِلِ

وَرَهْطُ نُفَيْلٍ شَرُّ مَنْ وَطِئَ الحَصَى
وَأَلْأَمُ حَافٍ مِنْ مَعَدٍّ وَنَاعِلِ

فَأَبْلِغْ قُصَيًّا أَنْ سَيُنْشَرُ أَمْرُنَا
وَبَشِّرْ قُصَيًّا بَعْدَنَا بِالتَّخَاذُلِ

۵۳۔ اے مطعم! میں نے تجھے بڑے بڑے خطرات اور اہم معاملات میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔ (اور آج تم احسان فراموشی کر کے ہم سے کنارہ کش ہو رہے ہو۔)

۵۴/۵۵۔ بنی عبد شمس اور بنی نوفل نے ہمارے خلاف جو بُرا اقدام کیا ہے، خداوندِ عالم بہت جلد انہیں اس کی سخت سزا دے گا اور اس کی سزا میزانِ عدل کے مطابق ہو گی۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہو گی جیسے دیکھ کر خود اُن کا نفس گواہی دے گا کہ یہ حق ہے۔

۵۶۔ اور وہ لوگ تو بہت ہی کم عقل ہیں جنہوں نے ہماری دشمنی میں بنی خلف اور بنی غیطلہ کو ہمارے خلاف کر دیا ہے۔

۵۷۔ اور ہم تو خاندانِ بنی ہاشم کے اعلیٰ ترین افراد ہیں اور قصی ایسے جامع کمالات کی اولاد ہیں جن کی عظمت و رفعت قدیم زمانہ سے تسلیم شدہ ہے۔

۵۸۔ بنی سہم اور بنی مخزوم نے فتنہ پرور اور کمینوں کو جمع کر کے ہماری دشمنی پر آمادہ کر رکھا ہے۔

۵۹۔ اے بنی عبد مناف! تم تو قوم کے بہترین افراد ہو، لہٰذا اپنے معاملات میں ایسے منافقین کو شریک نہ کرو۔

۶۰۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! تم لوگ کمزوری اور عاجزی دکھا رہے ہو، اور تم تکلیف دہ راستے پر چل رہے ہو۔

۶۱۔ ماضی میں تم ایک دیگ کے ایندھن تھے اور اب تم بکثرت دیگوں کا ایندھن بنتے جا رہے ہو۔

۶۲۔ اے بنی عبد مناف، ہماری امداد سے منہ موڑنے اور (شعب) میں محصور کرنے اور ہمارا ساتھ چھوڑ دینے پر تمہیں مبارک ہو۔

وَلَوْطَرَقَتْ لَيْلاً قُصَيًّا عَظِيمَةٌ
إِذَا مَا لَجَأْنَا دُونَهُمْ فِي الْمَدَاخِلِ
وَلَوْصَدَقُوا ضَرْبًا خِلاَلَ بُيُوتِهِمْ
لَكُنَّا أُسًى عِنْدَ النِّسَاءِ الْمَطَافِلِ
فَكُلُّ صَدِيقٍ وَابْنُ أُخْتٍ نَعُدُّهُ
لَعَمْرِي وَجَدْنَا غِبَّهُ غَيْرَ طَائِلِ
سِوَى أَنَّ رَهْطًا مِنْ كِلاَبِ بْنِ مُرَّةٍ
وَبَرَاءُ إِلَيْنَا مِنْ مَعَقَّةِ خَاذِلِ
وَهَنَّا لَهُمْ حَتَّى تَبَدَّدَ جَمْعُهُمْ
وَيَحْسُرَ عَنَّا كُلُّ بَاغٍ وَجَاهِلِ
وَكَانَ لَنَا حَوْضُ السِّقَايَةِ فِيهِمْ
وَنَحْنُ الْكُدَى مِنْ غَالِبٍ وَالْكَوَاهِلِ
شَبَابٌ مِنَ الْمُطَيِّبِينَ وَهَاشِمٍ
كَبِيضِ السُّيُوفِ بَيْنَ أَيْدِي الصَّيَاقِلِ
فَمَا أَدْرَكُوا ذَحْلاً وَلاَ سَفَكُوا دَمًا
وَلاَ حَالَفُوا إِلاَّ شِرَارَ الْقَبَائِلِ
بِضَرْبٍ تَرَى الْفِتْيَانَ فِيهِ كَأَنَّهُمْ
ضَوَارِي أُسُودٍ فَوْقَ لَحْمٍ خَرَادِلِ
بَنِي أُمَةٍ مَحْبُوبَةٍ هِنْدِكِيَّةٍ
بَنِي جُمَحٍ عُبَيْدِ قَيْسِ بْنِ عَاقِلِ

۶۳- اگر ہماری حالت یہ ہے کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو، دل میں رکھتے ہو تو تم لوگ وقف شدہ اونٹنی کے دودھ کی طرح دودھ لیتے جاتے ہو۔

۶۴- اور بنی لوئی بن غالب کے بیوقوف افراد کو (جنہیں روسائے قریش نے) ہماری طرف بھیجا تاکہ تکلیف پہنچائیں۔

۶۵- اور بنی نفیل سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ بنی معد کے جوتے پہننے والے اور ننگے پاؤں چلنے والوں میں سب سے زیادہ بدسرشت یہی ہیں یعنی (بنی نفیل)

۶۶- قصّی یعنی خاندانِ قریش پر واضح کر دو اور خوشخبری سنادو کہ ہمارا دین لازماً پھیلے گا اور جس نے ہم سے علیٰحدگی اختیار کی وہ ذلیل و رسوا ہو گا۔

۶۷- (اور اُن پر یہ بھی واضح کر دو) اگر قصّی یعنی خاندانِ قریش پر کبھی امتحانی رات آئی تو جیسے انہوں نے ہمارا ساتھ چھوڑا ہے، ہم نہیں چھوڑیں گے۔

۶۸- اور اگر کوئی ان کے گھروں میں تلواریں چلاتا ہوا داخل ہونے کی غلطی کرے تو ہم ان کی عورتوں اور بچّوں کو اچھی طرح حفاظت کرتے نظر آئیں گے۔

۶۹- سوا بنی کلاب بن مرّہ ایک جماعت کے وہ تو ہمارے ساتھ دوستی ترک کرنے کے الزام سے بری ہیں۔

۷۰- ہم نے انہیں اتنا کمزور کر دیا کہ ان کے لوگ بکھر گئے۔ ہر قسم کا باغی اور جاہل ہمارے مقابل آنے میں گھبراتا ہے۔

۷۱- پانی پلانے والا ہمارا ایک حوض انہیں بستیوں میں تھا۔ ہم تو بنی غالب صاحبِ عزّت اور مرجع قوم ہیں۔

۷۲- ہمارے وہ بہادر نوجوان جنہوں نے عِطر میں ہاتھ ڈال کر معاہدہ کیا اور بنی ہاشم کے بہادر ایسے ہیں جیسے صیقل گروں کے ہاتھوں میں چمکتی تلواریں،

وَلٰكِنَّنَا نَسْلُ كِرَامٍ لِسَادَةٍ
بِهِمْ نُعِيَ الْاَقْوَامُ عِنْدَ الْبَوَاطِلِ
وَنِعْمَ ابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ غَيْرُ مُكَذَّبٍ
زُهَيْرٌ حُسَامًا مُفْرَدًا مِنْ حَمَائِلِ
اَشَمُّ مِنَ الشُّمِّ الْبَهَالِيلِ يَنْتَمِي
اِلٰى حَسَبٍ فِيْ حَوْمَةِ الْمَجْدِ فَاضِلِ
لَعَمْرِيْ لَقَدْ كَلِفْتُ وَجْدًا بِاَحْمَدٍ
وَاِخْوَتِهِ دَابَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ
فَلَا زَالَ فِي الدُّنْيَا جَمَالًا لِاَهْلِهَا
وَزَيْنًا لِمَنْ وَالَاهُ رَبُّ الْمُشَاكِلِ
فَمَنْ مِثْلُهُ فِي النَّاسِ اَيُّ مُؤَمَّلٍ
اِذَا قَاسَهُ الْحُكَّامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ
حَلِيْمٌ رَشِيْدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ
يُوَالِيْ اِلٰهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلِ
فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اَنْ اَجِيْءَ بِسُبَّةٍ
تَجُرُّ عَلٰى اَشْيَاخِنَا فِي الْمَحَافِلِ
لَكُنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلٰى كُلِّ حَالَةٍ
مِنَ الدَّهْرِ جِدًّا غَيْرَ قَوْلِ التَّهَازُلِ
لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ
لَدَيْنَا وَلَا يُعْنٰى بِقَوْلِ الْاَبَاطِلِ

۷۳۔ نہ انہوں نے بدلہ لیا، نہ خون بہایا اور نہ ہی قبیلے کے بدترین افراد کے سوا کسی سے مخالفت کی۔

۷۴۔ ایک ایسی ضرب ہے، جس میں جوانوں کو تم ایسے حال میں دیکھو گے کہ گویا پھاڑنے والا شیر گوشت پر۔

۷۵۔ اے ہندی محبوبہ چھوکری کے بچّو! اے بنی جُمح علید قیس بن عاقل۔

۷۶۔ لیکن ہم تو شریف سرداروں کی اولاد سے ہیں، جن کے ذریعے غلط کاری کے وقت موت کا پیام دیا جاتا ہے۔

۷۷۔ بہترین راست گو بھانجا زہیر ہے جو (دشمنوں کے لیے) ننگی تلوار ہے۔

۷۸۔ وہ مشہور جوانمردوں سے بڑھ کر جوان مرد سردار ہے اور حسب نسب کے لحاظ سے صاحب عزّو وقار اور بلند مرتبہ ہے۔

۷۹۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم، مجھے (محمّد مصطفٰے) احمد مجتبٰے (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے بے پناہ محبّت ہے، جس طرح دائمی محبت کرنے والوں کی حالت ہوتی ہے۔ اور ان کے بھائیوں کی محبت اور عشق میں مبتلا ہو چکا ہوں (یعنی علی و جعفر رضی اللہ عنہما، اس لیے کہ یہ دونوں بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہر لمحہ اپنی جان قربان کرنے پر تیّار رہتے ہیں)

۸۰۔ وہ پروردگار عالم، جو ایک دوسرے سے مشابہ صورتیں بنانے والا ہے (احمدِ مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کے بھائیوں (علی و جعفر) سے تعلقّات رکھنے والوں کے لیے دنیوی جمال ہمیشہ قائم رکھے اور جن لوگوں کی اس نے سرپرستی کی ہے ان کی زینت کو دوام عطا فرمائے۔

۸۱۔ تمام جہانوں کے انسانوں میں ان کی مثل کون ہے جس سے لوگوں کی امیدیں وابستہ ہوں اور فضل و کمال میں کون ہے جس سے موازنہ کیا جا سکے۔

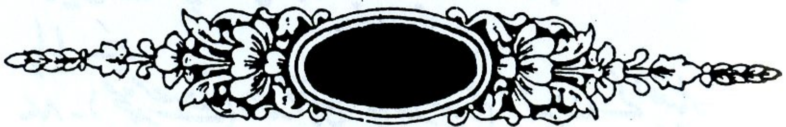
فَاَصْبح فِينَا اَحْمَدُ فِى أَرُومَةٍ
تُقَصِّرُ عَنْهُ سَوْرَةُ المُتَطَاوِلِ

حَدِبْتُ بِنَفْسِى دُونَهِ وَحَمَيْتُهُ
وَدَافَعْتُ عَنْهُ بِالذُّرَا وَالكَلاكِلِ

فَاَيَّدَهُ رَبُّ العِبَادِ بِنَصْرِهِ
وَاَظْهَرَ دِينًا حَقُّهُ غَيْرُ بَاطِلِ

رِجَالٌ كِرَامٌ غَيْرُ مِيلٍ نَمَاهُمُ
اِلَى الخَيْرِ آبَاءٌ كِرَامُ المَحَاصِلِ

فَاِنْ تَكُ كَعْبٌ مِنْ لُؤَيٍّ صُقَيْبَةً
فَلَا بُدَّ يَوْمًا مَرَّةً مِنْ تَزَايُلِ



۸۲۔ صاحبِ عقل و دانش، منبعِ عدل و انصاف، حلیم و بُردبار، یادِ خُدا میں ہمیشہ مشغول رہنے والے اور اس سے محبّت کرنے والے۔

۸۳۔ پس اللہ کی قسم! اگر میری وجہ سے ہمارے بزرگوں کے متعلّق جو مجمعوں میں (میرے اسلام لانے کے باعث) مغلّظات کا خوف نہ ہوتا تو میں اعلانیہ اپنا اسلام ظاہر کر دیتا۔

۸۴۔ تو ہم ہر حالت میں ان کی پیروی کرتے اگرچہ زمانہ کچھ بھی کہتا اور یہ بات میں نے بطورِ حقیقت کہی ہے۔ دل لگی یا مذاقیہ نہیں کی۔

۸۵۔ سبھی لوگ خوب جانتے ہیں کہ میرے بھتیجے (محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم) نے نہ کبھی ان لوگوں سے غلط بات کی اور نہ ہی وہ لغو کہہ سکتے ہیں۔

۸۶۔ (اِن خاندانوں کے لوگ) معزز، بلند مرتبہ ہیں۔ بُزدل اور کمزور نہیں اور اپنے عالی وقار، آباء و اجداد کے سبب ان لوگوں سے شرف پایا ہے۔

۸۷۔ (محمّدِ مصطفٰے) احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم تو شرف کے اعتبار سے اتنے بُلند ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

۸۸۔ اس کی حفاظت کی خاطر میں نے اپنی جان خطرے میں ڈالی، اور اپنی پیٹھ کی انتہائی بُلندی اور سینے کے بڑے حِصّہ سے ان کی مدافعت کی (یعنی جان و دل سے میں ان کی حفاظت کر رہا ہوں)

۸۹۔ اللہ تعالیٰ اپنی مدد و نصرت کے ساتھ ان کی تائید کرنے والا ہے اور انہوں نے ایسا دین پیش کیا ہے جو برحق اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔

۹۰۔ یہ لوگ شریف ہیں، بُزدل نہیں، ان کے آباء و اجداد نے جن کے

مقاصد ارفع و اعلیٰ تھے، انہیں نیکی کی طرف متوجّہ رہنے کی تربیت دی۔

۹۱۔ اگر بنی کعب کا بنی لوئی سے قریبی رشتہ ہے تو اس رشتے کا ٹوٹنا بھی ممکن ہے اور کسی بھی وقت اِن کے جتھے کا منتشر ہونا بھی لازمی ہے۔

منقبت

بحضور سیّدنا ابُوطالِب ابن جناب عبد المُطلب رضی اللہ عنہما
عمّ حضرتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

نذرِ محبُوبِ خدا، جانِ ابُوطالب ہے ○ ساری دنیا پہ یہ احسانِ ابُوطالب ہے
اللہ اللہ، عجب شانِ ابوطالب ہے ○ حرمِ کعبہ، ادب دانِ ابوطالب ہے
مصحفِ روئے محمدؐ ہے نظر میں ہر دم ○ مرحبا خوب یہ قرآنِ ابوطالب ہے
اُن کی آغوش کی زینت ہیں علیؑ شیرِ خدا ○ نورِ احمد، تہِ دامانِ ابوطالب ہے
احترام ان کا فرشتوں کی صفوں میں بھی ہوا ○ جس کو دیکھو، وہ ثنا خوانِ ابُوطالب ہے
مُرتضیٰ ہوں کہ ہوں سبطین، سبھی ہیں پیارے ○ ہر کرن، شمعِ شبستانِ ابوطالب ہے
اُلفتِ پنج تن پاک نے بخشا ہے شرف ○ آج کل دِل مرا، مہمانِ ابوطالب ہے
چشمِ بیدار ملی، معرفت آگاہ نظر ○ درسِ حق، خطبۂ عرفانِ ابوطالب ہے
میں دل و جاں سے ہوں مدّاح ابُوطالب کا ○ جو نفس ہے وہی قربانِ ابوطالب ہے
ہر گُلِ تر پہ نچھاور ہیں فلک کے تارے ○ پُر بہار ایسا گلستانِ ابوطالب ہے
قابلِ رشک ہیں اندازِ ابوطالب کے ○ حق کا عرفان ہی وجدانِ ابوطالب ہے
میں کہوں گا کہ ہے محروم بڑی نعمت سے ○ جو کوئی دست کشِ خوانِ ابوطالب ہے
بعد تحقیقِ احادیث و روایات نصیرؔ ○ میرا دل قائلِ ایمانِ ابوطالب ہے

رشحاتِ عقیدت : پیر سیّد نصیر الدّین نصیر چشتی گولڑوی علیہ الرحمۃ، گولڑہ شریف

از فیض نسبت مجموعۂ مناقب، مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف، E II اسلام آباد پاکستان سن طباعت فروری ۲۰۰۶ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

عشق سے سرشار تھے ابو طالب رضی اللہ عنہ

ثنا خوانِ حبیبِ احمدِ مختار تھے ابو طالب
نکاح خوانِ حبیبِ احمدِ مختار تھے ابو طالب

سراسر اہلِ مکہ دشمنِ سرکار تھے سبھی یارو
صرف اس وقت اُن کے ناصر و غم خوار تھے ابو طالب

دل و جاں سے وہ توحید و رسالت کے رہے قائل
خداوندِ دو عالم کے بڑے پرستار تھے ابو طالب

تھے اُن کی ذاتِ اقدس سے سراسیمہ سبھی کافر
وہ گویا شیرِ حق کی اک للکار تھے ابو طالب

جُدائی تو گوارا ہی نہیں تھی لمحہ بھر اُن کو
محمد مصطفیٰ کے عشق سے سرشار تھے ابو طالب

سایہ کی طرح سفر و حضر میں آپ کو رکھا
معاون اور ناصر، خدمت گار تھے ابو طالب

قصائد آپ کے اسلام پر ہیں شاہد و ناطق
صحابہ کے یقیناً قافلہ سالار تھے ابو طالب

وہ تابش! تیری بخشش کا وسیلہ بن ہی جائیں گے
سدا پڑھتے رہو جو نعتیہ اشعار تھے ابو طالب

محمد منشا تابش قصوری

حضرتِ ابو طالِب رضی اللہ عنہ

ابو طالب کی شان و سیرتِ ضوبار کیا کہنا
وہ ہیں آلِ نبی کے قافلہ سالار کیا کہنا
رچی ہے آپ کی نس نس میں خوشبوئے نبی ایسی
مہک اُٹھا ہو جیسے حُسن کا گلزار کیا کہنا
تیری آغوش میں پلتی رہی رحمت دو عالَم کی
تیرے گھر سے ملے اسلام کے سردار کیا کہنا
شہادت دے رہا ہے خود خدا، قرآں شاہد ہے
یتیم تیری پناہِ خالق و جبار کیا کہنا
رہا تو عمر کے چالیس اور دو سال تک ھر دم
دل و جاں سے فدائے احمدِ مختار کیا کہنا
ہوا جب عقدِ سرکار جہاں، بی بی خدیجہ سے
پڑھا ہے آپ نے خطبہ سرور بار کیا کہنا

لے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی، کیا ہم نے تمہیں یتیم نہ پایا، پھر جگہ دی، آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کی محبّت عبد المطلب اور ابو طالب کے دل میں ڈالی جس سے انہوں نے کمال شفقت سے پالا، یہ پرورش در حقیقت ہماری طرف سے تھی۔
نور العرفان صـ ۹۵۲ مطبوعہ لاہور — از مفتی احمد یار خاں گجراتی علیہ الرحمہ

پڑھا[1] ہے آپ نے کلمہ بوقتِ مرگ پھر اس پر
ہوئے ہیں خوش رسولِ خالق و غفار کیا کہنا

زباں کے کلمہ پڑھنے سے تو کچھ حاصل نہیں لیکن
رہے دل میں اگر حُبِ شہِ ابرار کیا کہنا

عقیدہ ہے یہی میرا، تیرے سرکار آدم تک
سبھی اجداد ہیں ایمان کے مینار کیا کہنا

فدا ہوں سو دل و جاں سے میں تیرے نجمِ قسمت پر
ہوا تو سب سے پہلا شاعرِ دربار کیا کہنا

ترِی ایمان داری، پاسداری، جانثاری کو
سلامِ شوق ہو اے طالبِ دیدار کیا کہنا

مری جانب سے اے نقوی مبارک ہو، مبارک ہو
محبّت سے بھرے ہیں تیرے سب اشعار کیا کہنا

○

عشقِ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم، فکر و قلم:
صاحبزادہ سید محمّد امین علی شاہ نقوی (علیہ الرحمتہ)
(ناشر) باب الھدیٰ، فیض آباد، فیصل آباد بار اوّل ۱۹۸۸ء ۱۴۰۸ھ

---

[1] حضرت شیخ الاسلام مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں (حضرت ابو طالب کی وفات کے وقت آپ کے حقیقی بھائی) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سر جھکا کر سنا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کہ آپ کے چچا اسلام لے آئے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔
مدارج النبوت جلد دوم (تیسرا ایڈیشن)
مطبوعہ مدینہ کمپنی ——— کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

سعدی

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّمْ

وجہِ تخلیقِ کائنات سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشادِ مبارک ہے

سادةُ السودان أربعة
لقمان و مهجع وبلال والنجاشی

(حبشیوں کے سردار چار ھیں، حضرتِ لقمان، حضرتِ مهجع، حضرتِ بلالِ حبشی اور حضرتِ نجاشی رضی اللہ عنہم)

وہ سُن کر دین حق کی خوبیاں ایمان لے آئے
فدائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے پاک فطرت، شاہِ نجاشی رضی اللہ عنہ

اشارہ کیا اور بشارت دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نجاشی کو فتح عطا فرمادی ہے اور اُس کے دشمن کو ہلاک کر دیا ہے۔

الا أبشروا فقد ظفر النجاشی ، اهلک الله عدوه
ومکن له فی بلاده

اُم المومنین سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بخدا ہمیں اتنی خوشی کبھی نصیب نہ ہوئی تھی جتنی نجاشی کی فتح سے حاصل ہوئی۔

ہجرت حبشہ اور شاعری

صنادید قریش نے بھاری بھرکم تحائف کے ہمراہ شاہِ حبشہ کے پاس اپنی سفارت بھیجی تا کہ وہ مسلمانوں کو قریشی سفارت کے حوالے کر دیں تو اس موقع پر سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ نے بھی موقع کی مناسبت سے ایک قصیدہ رقم کر کے شاہِ نجاشی رضی اللہ عنہ کو ارسال کیا جو بعد میں قصیدہ "بـائـیـہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قصیدہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ شاہِ حبشہ کے ساتھ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات اور روابط تھے ہی مگر اس کے علاوہ بنو ہاشم کے بزرگوں کی بھی اس بادشاہِ سے واقفیت اور خصوصی تعارف تھا۔ قصیدہ "بائیہ" کے چند اشعار مع اُردو ترجمہ ذیل میں ہیں۔

أَلا لَيتَ شِعرِيْ كَيفَ فِيْ النَّايِ جَعفَرُ
وَعَـمـرُوْ وَأَعـدَاءِ الْنَّبِيِّ الاَقَـارِبُ

ہاں! مجھے نہیں معلوم کہ پردیس میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کیسے ہیں اور عمرو بن عاص کی سفارت کاری کیا رنگ لا رہی ہے؟ دشمن کے دشمن تو قریبی رشتہ دار ہی ہوتے ہیں۔

فَهَلْ نَالَ اَفْعَالَ النَّجَاشِيِّ جَعْفَراً

وَأَصْحَابَهُ اَوْعَاقَ ذٰلِكَ شَاغِبُ

تو کیا جعفر اور اس کے ساتھیوں کو نجاشی کا حُسنِ سلوک میسر آ گیا ہے یا کوئی شخص ہنگامہ پرور رکاوٹ بن گیا ہے؟

تَعَلَّمْ أَبَيْتَ اللَّعْنَ أَنَّكَ مَاجِدٌ

كَرِيْمٌ فَلَا يَشْقَى لَدَيْكَ الْمُجَانِبُ

اے خوش بخت بادشاہ! آپ تو جانتے ہیں کہ آپ عزت اور شرافت کے مالک ہیں اس لئے آپ کے جوار میں آنے والا کبھی بدنصیب نہیں ہوتا!

وَأَنَّكَ فَيْضٌ ذُوْ سِجَالٍ غَزِيْرَةٍ

يَنَالُ الْاِعَادِيْ نَفْعَهَا وَالْاَقَارِبُ

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے اندازہ فراخی عطا فرمائی ہے اور بھلائی کے تو تمام وسائل آپ کے پاس ہیں!

تَعَلَّمْ بِأَنَّ اللّٰهَ زَادَكَ بَسْطَةً

وَأَفْعَالَ خَيْرٍ كُلُّهَا بِكَ لَازِبُ

آپ تو بے پناہ سخاوت کا مجسمہ ہیں، اس سخاوت سے اپنے پرائے سبھی فائدہ پاتے ہیں!!

سرکار دو عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کا دفاع سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ ہجرت حبشہ کو ناکام بنانے کے لئے قریش نے انتہا درجہ کوششیں کیں لیکن سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ نے بھی معاملہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اور

بنو ہاشم کے تعلقات کے پیش نظر سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے زبانی پیغامات کے علاوہ اپنے اشعار سے بھی شاہِ حبشہ رضی اللہ عنہ کی تسلی وتائید فرماتے نظر آتے ہیں اس نازک موقع پر سرکار ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرا قصیدہ بھی شاہِ حبشہ کو ارسال کیا جو بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔ یہ قصیدہ "میمیہ" کے نام سے مشہور ومعروف ہوا۔

لیعلم خیرُ الناسِ اَنَّ محمداً
وزیرٌ لموسی والمسیح ابن مریم

اچھے لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ تو حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نبوت کے ذمہ دار ہیں!!

أتانا بھدی مثل ما اَتَیا بہ
فکل بأ مر اللّٰہ یھدی و یَعْصِم

آپ ہمارے پاس وہی سامان ہدایت لے کر آئے ہیں جو وہ دونوں لے کر آئے تھے!!

وانکم تتلونہ فی کتابکم
بصدقِ حدیث لا حدیث المرجَّم

آپ (مسیحی حضرات!) ان کا ذکر اپنی کتاب مقدس میں پڑھتے ہیں! یہ سچی بات ہے نہ کہ اٹکل پچو والی بات!

وانک ما تاتیک منھا عصابۃ
بفضلک الا أرجعوا بالتکرم

اور اے نجاشی! قریش کے پاس سے جو بھی گروہ آئیں وہ تیری طرف سے عزت واحترام سے واپس بھیج دئے جائیں (سفرائے قریش کو اعزاز کے ساتھ واپس بھیجتے رہے!)

بعد تحقیقِ احادیث و روایات نصیر — میرا دل قائلِ ایمانِ ابوطالب ہے

"پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی"

تحقیق ایمان ابوطالب

امام المناطقہ استاذ العلماء ملک المدرسین

حضرت علامہ عطاء محمد بندیالوی چشتی گولڑوی قدس سرہ

تقریظ :........ حضرت محقق العصر مولانا مفتی محمد خان قادری

دینی و ادبی حوالے سے اشاعتی میدان میں منفرد اور معیاری ادارہ



اسلامک میڈیا سنٹر

27/A (گنج ہندی سٹریٹ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور

0300-9429027, 0321-9429027, 042-37214940

E-mail: mahboobqadri787@gmail.com

فرمودۂ حضرت استاذ العلماء

علامہ عطا محمد بندیالوی قدس سرہ

بندہ نے یہ مضمون اس امید پر لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس فقیر حقیر سراپا تقصیر کے اعمال کا ملاحظہ فرمائینگے تو ہوسکتا ہے کہ یہ مضمون آپ ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ اس فقیر کے گناہ معاف کردے اور خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ آمین یارب العالمین

نگارش حضرت اُستاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علٰی من لانبی بعدہ
وعلٰی آلہٖ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ اجمعین امابعد۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ دنیا میں وقفہ وقفہ سے ایسے علماء کرام پیدا فرماتا رہے گا جو کہ علماء سوء کی تاویلات باطلہ اور مبطفلین کے مزعومات فاسدہ سے مسلمانوں کو متنبہ فرماتے رہیں گے اور جتنا زمانہ نبوۃ علیٰ صاحباہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اور قرب قیامت ہوگا اتنا ہی تاویلات زائغہ اور اعتقادات کاسدہ کی کثرت ہوگی تآنکہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ بھی اس دوران اپنی سنت جاری فرماتا رہیگا اور علماء زور کے مقابلہ میں علماء صدق پیدا فرماتا رہے گا چنانچہ تاریخ دان حضرات پر واضح ہے کہ ہر دور میں صالحین نے مبطفلین کارد فرمایا اور دین کی تجدید فرمائی اسی سلسلہ کی کڑی میرے ایک عزیز حضرت مولانا العلامۃ جناب صائم چشتی فیصل آبادی ہیں صائم صاحب کی تین تصانیف بندہ کی نظر سے گزری ہیں اول گیارہویں شریف ہے چونکہ مبطلین نے اولیاء کرام کے لئے ایصال ثواب کو مااھل بہ لغیر اللہ میں داخل کردیا اور حلال طیب کو حرام قطعی میں داخل کرنے کی سعی نامشکور کی تو جناب صائم صاحب نے نہایت اچھوتے انداز میں مبطلین کا رد بلیغ فرمایا اور کتاب مستطاب گیارہویں شریف تالیف فرمائی جو کافی مدت ہوئی کہ طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکی ہے اور اب دوسرے ایڈیشن میں قدم رکھ رہی ہے۔

دوسری کتاب شہید ابن شہید ہے کہ بعض خوارج نے حضرت سیّد الشہداء امام مظلوم نبیرہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی اولادہ الکرام پر زبان طعن دراز کی ہے اور یزید اظلم علیہ ماعلیہ کوحق بجانب ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے حضرت صائم کی حب اہل بیت کرام کی رگ پھڑکی اور کتاب مذکور بالا تصنیف فرما کر خوارج کا دندان شکن رد بلیغ فرمایا اور حمایت اور تائید اہل بیت کی سعادت سے اللہ تعالیٰ نے صائم صاحب کو سرفراز فرمایا، حالانکہ پاکستان میں مشاہیر علماء اہل سنت موجود ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

تیسری کتاب حضرت مولانا صائم چشتی نے حضرت ابوطالب عم النبی ﷺ کے ایمان کے متعلق تحریر فرمائی ہے اس کتاب کا مضمون اور موضوع ایک نہایت نازک مسئلہ ہے جس پر قلم اٹھانا ہر کسی کا کام نہیں ہے بلکہ نامور علماء کا کام ہے۔ مصنف فاضل نے اس مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے کہ اپنی وسعت علمی اور کثرت معلومات کا ثبوت مہیا فرما کر اہل علم پر بڑا احسان فرمایا ہے اس فقیر محرر ایں سطور خادم الطلبہ عطا محمد چشتی گولڑوی نے جناب صائم صاحب کی کتاب گیارہویں شریف پر مختصر تقریظ تحریر کی ہے جو شاید کتاب کی دوسری طبع میں شائع ہوگی اس مقام میں یہ فقیر سراپا تقصیر مولانا صائم صاحب کی تیسری تصنیف پر تبصرہ کرنا چاہتا ہے جس میں حضرت ابوطالب کے ایمان پر محققانہ بحث کی گئی ہے اگرچہ تبصرہ اور تقریظ اختصار کی متقاضی ہے لیکن زیر تبصرہ مسئلہ ایسا دریا ہے کہ اس کو کوزے میں بند کرنا کم از کم اس فقیر کا مقدور نہیں ہے اس لئے اگر تبصرہ میں طوالت ہو جائے تو بندہ قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ تبصرہ سے قبل چند تمہیدی مقدمات پیش خدمت ہیں تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

مقدمہ اوّل:

ایمان میں دو چیزیں اہم ہیں اول تصدیق جس کا تعلق دل سے ہے دوم اقرار جس کا تعلق زبان سے ہے خلاصہ ہر دو چیز کا یہ ہے کہ دل تسلیم کرے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادق اور سچے ہیں اور زبان سے ان ہر دو امر کا اقرار کیا جائے جس کا خلاصہ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ہے۔

مقدمہ دوم:

تصدیق قلبی مسلمان سے کبھی ساقط اور معاف نہیں ہوتی خواہ کتنا ہی عذر اور خوف شدید کیوں نہ ہو لیکن اقرار، عذر اور اپنی جان کے خطرہ کے وقت ساقط اور معاف ہے یعنی اگر تصدیق قلبی موجود اور محکم ہے تو زبان پر کلمہ کفر جاری کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے اور اس کی دلیل قرآن پاک میں مذکور ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن شرح بالکفر صدراً فعلیھم غضب من اللّٰہ ولھم عذاب عظیم خلاصہ مقدمہ دوم کا یہ ہے کہ اگر تصدیق قلبی ہے تو زبان پر صریح کفر منافی ایمان نہیں ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہین ہے تو اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ اگر تصدیق قلبی موجود ہے تو زبان پر ایسے کلمات جاری کرنا جو کفر صریح نہیں بلکہ دو معنیٰ کا احتمال رکھتے ہیں یعنی کفری اور غیر کفری تو ایسے کلمات کا اجراء زبان پر جان کے خوف کے وقت بطریق اولیٰ منافی ایمان نہیں ہے اور اس میں بھی کسی ذی علم کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔

مقدمہ سوئم:

جب اپنی جان کو خطرہ لاحق ہو تو زبان پر اجراء کلمات کفر منافی ایمان

نہیں ہے تو اگر اپنی جان کے ساتھ نبی ﷺ کی جان کو بھی شدید خطرہ لاحق ہوتو زبان پر اجراء کلمات کفریہ اجراء کلمات محتملہ بطریق اولیٰ منافی ایمان نہیں ہوگا۔

مقدمہ چہارم:

کفر کی کئی صورتیں ہیں اول دل میں تصدیق نہیں ہے اگرچہ زبان پر اقرار ہے، دوم بلاعذر اور اکراہ زبان پر اجراء کلمہ کفر، سوئم ایسا فعل کرنا جو کہ کفر اور تکذیب پر دلالت کرے اور کوئی جبر اور اکراہ نہیں ہے جیسے بت کو سجدہ کرنا یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکنا۔

مقدمہ پنجم:

ایمان اور کفر کے دلائل بظاہر متعارض ہوں تو ایمان کے دلائل کو ترجیح ہوگی اگرچہ دلائل ایمان ضعیف ہی کیوں نہ ہوں اور اس کی تصریح کتب فقہ میں ہے۔ الاسلام یعلو اولا یعلی یعنی اسلام کفر پر غالب ہے مغلوب نہیں ہے۔

ابتدا میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے علماء کو پیدا فرمایا جنہوں نے حق کو ظاہر فرمایا اور تاویلات باطلہ کا ابطال فرمایا مسئلہ ایمان حضرت ابی طالب بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے اور قدیما حدیثاً علماء کرام نے اس مسئلہ میں کتابیں اور رسائل تحریر فرمائے اس فقیر کی معلومات کے مطابق ماضی قریب میں مولانا العلامہ محمد بن رسول برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان ابی طالب پر ایک رسالہ تحریر فرمایا اور ایمان ابی طالب کو دلائل کثیرہ سے ثابت فرمایا اس رسالہ میں علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن دلائل سے جن سے مخالفین نے عدم ایمان ابی طالب پر استدال کیا تھا انہیں دلائل سے علامہ برزنجی نے ایمان ابی طالب ثابت کیا۔ فللہ درہ

علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات گیارہ صد تین ہجری ۱۱۰۳ھ میں ہوئی اس

کے بعد اسی مسئلہ پر حضرت علامہ سیّد احمد بن زینی دحلان مفتی الحرم رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب ہے یہ دونوں رسالے عربی زبان میں ہیں اور دوسرا رسالہ پہلے سے ماخوذ ہے اور پھر بہت ہی ماضی قریب میں حضرت مولانا العلامہ مولوی محمد برخودار رحمۃ اللہ علیہ ملتانی محشی نبراس نے رسالہ اسنی المطالب کا اردو میں ترجمہ فرمایا اور اس کا نام ہے ''القول الجلی فی نجاۃ عم النبی وابی علی'' اور اس کے بعد اس موضوع پر علامہ صائم چشتی کی تصنیف منیف ہے۔ اللہ تعالیٰ زور قلم زیادہ عطاء فرماوے۔

مقدمہ ششم:

علوم دینیہ کے کئی شعبے ہیں، تدریس، افتاء، قضاء، تبلیغ، مناظرہ، تصنیف و تالیف اور ظاہر ایک آدمی یہ سارے کام نہیں کرسکتا، لہٰذا علماء کو یہ تمام کام باہم تقسیم کرنے ہونگے تو جب کوئی صاحب علم کسی ایک کام کو اختیار فرما کر سعی بلیغ کرتا ہے تو اس فقیر کو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ اس عالم دین کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہے اور یہ کہ اس نے علماء کا ہاتھ بٹایا ہے ان چھ تمہیدی مقدمات کے بعد بندہ مختصر طور پر اصلی مقصد بیان کرتا ہے۔ ولنعم ما قیل تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی۔

ایمان ابی طالب کے دلائل.

یہاں حضرت ابوطالب کے ایمان پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

دلیل اوّل:

حضرت ابوطالب کے کتب تاریخ میں کئی اشعار اور خطبات منقول ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ابوطالب کے دل میں تصدیق بالنبوۃ تھی اور انہوں نے

زبان سے بھی اقرار کیا ہے۔ یہاں نمونہ کے طور پر بعض اشعار اور خطبات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ شعر

ولقد علمت بانّ دینَ محمد من خیر ادیان البریة دینا

یعنی میں نے یقیناً جان لیا ہے کہ محمد ﷺ کا دین تمام لوگوں کے دین سے افضل ہے۔ شعر

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا محمداً رسولاً کَمُوْسیٰ صَحَّ ذٰلکَ فِی الْکُتُب

یعنی تم سب لوگ جانتے ہو کہ محمد ﷺ اسی طرح رسول ہیں جیسے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ بات آسمانی کتابوں سے ثابت ہے۔ شعر

وَشَقَّ لَہٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ فَذُوْ الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَھٰذَا محمد

یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے اسم محمود سے آنحضرت ﷺ کا نام مشتق فرمایا ہے آنحضرت کی عزت افزائی کے لئے اور یہ شعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے اور اس صورت میں یہ شعر من قبیل توارد ہوگا۔ اب خطبات کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں حضرت ابوطالب نے قریش کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا واللہ لکانی به وقد غلب ودانت له العرب والعجم فلایسبقنکم الیه سائر العرب فیکونوااسعدبه منکم یعنی میں نور فراست سے دیکھ رہا ہوں کہ آنحضرت غالب ہیں اور عرب و عجم ان کا مطیع ہے اے قریش ایسا نہ ہو کہ دوسرے عرب اس سعادت ایمانی میں تم پر سبقت لے جائیں اور وہ زیادہ سعادت حاصل کر لیں یعنی تم قریش آپ کے ساتھ صرف ایمان ہی نہ لاؤ بلکہ اسلام اور ایمان میں سبقت اور پہل کرو۔ ایک اور خطبہ میں ہے۔ یامعشر قریش کونواله ولاة ولحزبه حماة واللہ لایسلك احد سبیله الارشد ولا یأخذ احد بھدیه الاسعد یعنی اے قریش تم آنحضرت ﷺ کے محبّ اور آپ سے قریب ہو

جاؤ اور آپ کے گروہ کے مددگار بنو خدا کی قسم جو آپ کا رستہ اختیار کریگا وہ ہدایت پا گیا اور جو آپ کی سیرت پر عمل کریگا وہ نیک بخت ہے ایک اور خطبہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ لن تزالوابخیر ماسمعتم من محمد وماتبعتم امرہ فاطیعوہ ترشدوا قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جب تک تم لوگ محمد ﷺ کی بات سنو گے اور آپ کے امر اور حکم کی اتباع کرو گے تم ہمیشہ بھلائی اور نیکی میں رہو گے لہٰذا آپ کی اطاعت کرو راہنمائی پاؤ گے۔ مذکورہ بالا اشعار اور خطبات علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ اور سیّد احمد زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں مستند تواریخ سے نقل فرمائے ہیں اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابی طالب کو آنحضرت ﷺ کی نبوۃ کی تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں حاصل تھے اور وہ ظاہر اور باطن میں مومن تھے۔ مذکورہ بالا دلیل سے حضرت ابوطالب کے اپنے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مومن مصدق مقر تھے۔ اب دوسری دلیل ملاحظہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے چچا حضرت ابوطالب کے متعلق کیا عقیدہ تھا۔

دلیل دوم:

اس دلیل سے یہ امر ثابت کیا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ اپنے چچا ابوطالب کو مسلمان اور مومن جانتے تھے دلیل ذکر کرنے سے قبل ایک تفصیل ملاحظہ ہو تاکہ دلیل کے سمجھنے میں آسانی پیدا ہو حضرت عبدالمطلب کے وصال کے بعد مکہ مکرمہ میں سخت قحط پڑا اہل مکہ نے حضرت ابوطالب سے بارش کے لئے دُعا کی التماس کی تو حضرت ابوطالب آنحضرت ﷺ کو لے کر بیت اللہ شریف میں گئے اور آپ کے توسل سے بارش کی دُعا فرمائی تو بڑی زبردست بارش ہوئی یہ واقعہ بعثت سے پہلے کا ہے اور بعد از بعثت قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کو تنگ کیا اور آپکے آزار

اور تکلیف کے درپے ہوئے تو پھر حضرت ابو طالب نے قریش کو آنحضرت ﷺ کا احسان اور برکت جتلائی جو کہ قبل از بعثت صغر سنی میں تھی اور یہ شعر پڑھا۔

وابیضُّ یُستسقی الغمامُ بوجہہٖ

ثِمالُ الیتامیٰ عِصمۃٌ لِلاَرامِل

خلاصہ شعر کا ملاحظہ فرمائیے یہ گورے رخسار والا جس کے طفیل اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کی جاتی ہے اور یہ یتیموں کی جائے پناہ اور بیوگان کا محافظ ہے۔ پھر مدینہ منورہ میں قحط پڑا اور ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر بارش کی التجاء کی اور آپ ﷺ نے دُعا فرمائی اور سخت بارش ہوئی اور جب لوگ بارش سے تنگ آگئے اور بارش کی بندش کی التماس کی اور آپ ﷺ کی دُعا سے بارش بند ہوئی اس تفصیل کے بعد دلیل دوم ملاحظہ ہو۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا لِلّٰہِ دَرُّ ابی طالب لَوْ کَانَ حیًّا لَقرَّتْ عَیْنَاہُ یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت ابو طالب کو بڑی خیر کثیر عطا فرمائی ہے اگر آج زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا الفاظ مبارکہ سے ایمان ابی طالب پر دو وجہ سے دلیل ہے۔ اول یہ کہ آپ نے شہادۃ دی کہ حضرت ابو طالب کو اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر عطا فرمائی ہے اور جس کی موت کفر پر ہو اس کے لئے خیر کثیر کا اثبات نہیں کیا جاتا اور کافر کے متعلق پیغمبر ﷺ ایسے الفاظ نہیں استعمال فرما سکتے حضرت ابو طالب کو اللہ تعالیٰ نے یہی خیر کثر عطا فرمائی کہ جب تک زندہ رہے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کی زبردست اعانت فرمائی اور اس کی وجہ سے قریش نے آپ سے ترک موالات کی اور آپ کو مکہ شریف سے نکل کر تین سال شعب ابی طالب میں گزارنے پڑے اور جب مرے تو خاتمہ ایمان پر ہوا۔ دوم آپ نے اس موقع پر فرمایا اگر حضرت ابو طالب آج زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور وہ

خوش ہوتے آنحضرت ﷺ کا مدینہ شریف میں بارش اور اس کی بندش کے لئے دُعا مانگنا اور پھر دُعا کا قبول ہونا یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے اور پیغمبر علیہ السلام کے معجزہ پر مومن ہی خوش ہو سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ حضرت ابو طالب کو مومن جانتے تھے۔

دلیل سوئم:

ابن سعد نے طبقات میں اسناد صحیح کے ساتھ اور ابن عساکر ہر دو نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل فرمائی انه سال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ماترجوالابی طالب قال کل الخیر ارجو من ربی یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ابی طالب کے متعلق آپ کو کیا امید ہے تو فرمایا میں اپنے رب سے ابو طالب کے متعلق مکمل خیر کی امید رکھتا ہوں۔ مذکورہ بالا حدیث میں لفظ کُلَّ الْخَیْرِ اَرْجُوْا مِنْ رَبِّی ایمانِ ابی طالب پر دو وجہ سے دلیل ہے، اول مکمل خیر کی امید مومن کے لئے ہی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ حضرت ابو طالب آنحضرت ﷺ کے نزدیک مومن تھے۔ دوم مکمل خیر دخول الجنة ہے اور دخول جنت مومن کے ساتھ خاص ہے جس کی موت کفر پر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ان الله لا یغفران یشرك به الآیة یعنی اللہ تعالیٰ کافر کی ہرگز بخشش نہیں کریگا تو معلوم ہوا کہ ابو طالب جنت میں داخل ہونگے۔ (ازالۂ وہم) بعض لوگ اس دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ابو طالب کے عذاب میں آنحضرت ﷺ کی وجہ سے تخفیف ہوئی ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے تو یہ جواب مردود کیونکہ عذاب شر ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہے چہ جائیکہ کامل خیر ہو۔

دلیل چہارم:

مسلم شریف میں ہے عن عبداللہ بن حارث قال سمعت العباس یقول قلت یا رسول اللہ ان اباطالب کان یحوطك وینصرك ویغضب لك فهل نفعه ذالك قال نعم وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ابوطالب آپ کی رعایت اور مدد کرتا تھا اور آپ کے لئے لوگوں پر ناراض ہوتا تھا کیا اس بات نے اس کو نفع دیا۔ آپ نے فرمایا ہاں نفع دیا ہے میں نے اس کو بلند آگ میں پایا پس میں نے اس کو نہایت پتلی اور ہلکی آگ کی طرف نکالا۔ مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے عن عباس ابن عبدالمطلب انه قال یا رسول اللہ هل نفعت اباطالب بشئی فانه کان یحوطك ویغضب لك قال صلی اللہ علیه وآله وسلم نعم هو فی ضحضاح من نار ولو لا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار اس حدیث اور پہلی حدیث کا ترجمہ تقریباً ایک جیسا ہے فرق صرف یہ ہے کہ دوسری حدیث میں یہ ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ابوطالب کو کوئی نفع دیا ہے آپ نے فرمایا میں نے نفع دیا ہے وہ پتلی آگ میں ہے اگر میری سفارش نہ ہوتی تو دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتا ہر دو حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور سفارش سے حضرت ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی ہے حالانکہ قرآن پاک میں کفار کے متعلق وارد ہے لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ یعنی نہ تو کافروں کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی یہ آیت یا حدیث مبارکہ سب کفار کے لئے ہے کسی کافر کی تخصیص نہیں ہے اور حنفی اصول کے مطابق ابتداء وہ مخصص ہوتا ہے کہ قرآن کی آیت یا حدیث متواتر ہو اور مذکورہ بالا دو حدیث

متواتر نہیں ہیں تو اگر حضرت ابوطالب کا خاتمہ کفر پر ہوتا تو ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہوتی چونکہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوئی ہے لہٰذا وہ مومن ہیں۔
ان ہر دو حدیث کا بعض لوگ جواب دیتے ہیں یہ جواب اور اس کا رد دلیل پنجم کے بعد دیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

دلیل پنجم:

مسلم شریف میں ہے عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذکر عندہ عمہ ابوطالب فقال لعلہ تنفعہ شفاعتی یوم القیامۃ فیجعل فی ضحضاح من النار فیبلغ کعبیہ یغلی منہ دماغہ خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک آپ کے چچا حضرت ابوطالب کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت ان کو نفع دے گی اور پتلی آگ میں داخل کیا جائے گا جو ٹخنوں تک ہوگی اور اس کا دماغ اس آگ سے جوش کرے گا۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ قیامت میں حضرت ابوطالب کی شفاعت کرینگے اور یہ شفاعت حضرت ابوطالب کو نفع دے گی حالانکہ قرآن پاک میں ہے فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ یعنی کفار کو شفاعت کنندگان کی شفاعت نفع نہ دے گی یہاں کفار اور شفاعت کنندگان ہر دو میں تعمیم ہے یعنی کسی کافر کو کسی شافع کی شفاعت نفع نہ دے گی اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابوطالب کو آنحضرت ﷺ کی شفاعت نفع دے گی تو اگر حضرت ابوطالب کی موت کفر پر ہے تو پھر شفاعت نفع نہ دے گی اور جبکہ شفاعت نفع دے گی تو معلوم ہوا کہ ابوطالب مومن ہیں یہاں دلیل چہارم اور پنجم پر منکرین ایمان حضرت ابوطالب دو اعتراض کرتے ہیں یا یوں کہیے کہ ان دلیلوں کے دو جواب دیتے ہیں۔

جواب اوّل:

آنحضرت ﷺ کی شفاعت کے کئی اقسام ہیں اور ان اقسام سے ایک قسم یہ ہے کہ آپ کی شفاعت سے کافر کے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے اور تخفیف کی یہ شفاعت بعض کفار کو نفع دے سکتی ہے لہٰذا ابوطالب کی تخفیف اور نفع شفاعت آیات کے منافی نہیں ہے اور یہ شفاعت آپ کا خاصہ ہے۔ یہ جواب کئی وجوہ سے درست نہیں ہے۔

وجہ اوّل:

قبل ازیں گزر چکا ہے کہ احناف کے نزدیک عمومات قرآنی قطعیت کا فائدہ دیتی ہے اور عمومات کے لئے ضروری ہے کہ ان کا ابتدائی مخصص قطعی ہو یعنی قرآن کی آیت یا حدیث متواتر تو جس مخصوص شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے یہ کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ شفاعت عمومات قرآنی کی تخصیص نہیں کر سکتی عمومات قرآنی کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے یعنی قوله تعالى لا يخفف عنهم العذاب الايته اور فما تنفعهم شفاعة الشافعين

وجہ دوم:

یہ مخصوص شفاعت دلیل چہارم اور پنجم میں مذکور ہر دو احادیث سے اخذ کی گئی ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی برکت اور شفاعت سے حضرت ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی تو جو علماء حضرت ابوطالب کے ایمان کے قائل نہیں ہیں ان پر اعتراض وارد ہوا کہ نص قطعی سے ثابت ہے کہ کفار کے عذاب میں نہ تخفیف ہوگی اور نہ ان کو کسی کی شفاعت نفع دے گی اور تم لوگ حضرت ابوطالب کے کفر کے قائل ہو تو پھر کافر کو یہ تخفیف کیوں ہوئی اور ان کو شفاعت نے کیوں نفع دیا تو

ان علماء نے اس مخصوص شفاعت کا سہارا لیا کہ آنحضرت ﷺ کے لئے ایک خاص شفاعت ہے کہ کافر کو بھی نفع دے سکتی ہے خلاصہ یہ کہ یہ قسم شفاعت کفر ابی طالب پر مبنی ہے اور اس شفاعت کو ان ہر دو احادیث سے اس بناء پر اخذ کیا گیا کہ حضرت ابو طالب کافر تھے تو جب ہم نے حضرت ابو طالب کا ایمان ثابت کر دیا تو اس شفاعت کا مبنی فاسد ٹھہرا۔

لہٰذا شفاعت والا جواب نہایت کمزور ٹھہرا اور ہر دو احادیث سے اس شفاعت کا اخذ بھی باطل ہوا کیونکہ ان ہر دو احادیث سے تو حضرت ابو طالب کا ایمان ثابت ہوا، تا کہ یہ احادیث قرآن کے معارض نہ ہوں تو ان احادیث سے یہ شفاعت خاصہ ثابت نہ ہوئی۔ قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے کہ منکرین ایمان ابو طالب ہر دو حدیث مذکور بالا کے دو جواب دیتے ہیں۔ یہاں تک ایک جواب اور اس کا دو درجہ سے رد کیا گیا اب منکرین کا دوسرا جواب ملاحظہ ہو۔

جواب دوم:

جس طرح ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی ہے اسی طرح ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف ہوئی اور اس تخفیف کا ذکر بھی کتب احادیث میں ہے تو حضرت ابو طالب کی تخفیف عذاب سے اگر ان کا مومن ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر ابولہب کی تخفیف سے اس کا مومن ہونا ثابت ہوجائے گا کیونکہ نص قرآنی کے مطابق کافر کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوسکتی حالانکہ ابولہب کے ایمان کا تو کوئی قائل نہیں ہے تو یہ جواب بھی چند وجوہ سے مردود ہے۔

وجہ اوّل:

ابولہب کو کسی نے خواب میں دیکھا اور اس سے دریافت کیا تو ابولہب نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی آزاد کی تھی

جس کی وجہ سے مجھے انگلی سے پانی ملتا ہے۔ برخلاف حضرت ابوطالب کے کہ ان کے متعلق خود آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ میری شفاعت ابوطالب کو نفع دے گی اور وہ پتلی آگ میں ڈالا جائے گا۔

وجہ دوم:

ابولہب کا واقعہ خواب کا ہے جو کسی کو آئی تھی اور خواب حجت اور دلیل نہیں ہے برخلاف حضرت ابوطالب کے کہ آپ کی تخفیف عذاب فرمانِ نبوی سے ثابت ہے اور یہ کوئی خواب کا واقعہ نہیں ہے۔

وجہ سوم:

جس آدمی نے ابولہب کو خواب میں دیکھا تھا وہ اس وقت مسلمان نہیں تھا لہٰذا اس کی بات قابل اعتماد نہیں ہے۔

وجہ چہارم:

حضرت ابوطالب کے ایمان پر دلائل گزر چکے ہیں کہ ان کے دل میں تصدیق تھی اور زبان سے اقرار کیا اور آنحضرت ﷺ کی تمام عمر عزت کی، دشمن کے شر سے آپ ﷺ کو بچایا لہٰذا ابوطالب کے ایمان کا اقرار کرنا ہوگا برخلاف ابولہب کے کہ اس نے ساری عمر آنحضرت ﷺ کو تکلیف دی ہے اور آپ کے حق میں گستاخیاں کیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ابولہب نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے یہ گستاخانہ الفاظ کہے تَبًّا لَکَ یعنی تیرے لئے ہلاکت ہے العیاذ باللہ اس گستاخی سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کو اتنا غصہ آیا کہ ابولہب کی مذمت میں پوری ایک سورت قرآن پاک میں نازل فرمائی جب حضرت ابوطالب سے

کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کی وجہ سے ترک موالات کیا اور ابوطالب کو آنحضرت ﷺ کی جان کا خطرہ پیدا ہوا تو ابوطالب مکہ چھوڑ کر باہر شعب ابی طالب میں چلے گئے تو تمام بنو ہاشم نے حضرت ابوطالب کا ساتھ دیا خواہ وہ مسلمان تھے یا کافر لیکن ابولہب جو کہ حضرت ابوطالب کا بھائی تھا یہ ابوطالب کے ساتھ نہیں گیا تھا اور کفار مکہ کا ساتھ دیا کیونکہ اس کی بیوی ابوسفیان کی بہن تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوطالب اور ابولہب میں زمین آسمان سے زیادہ فرق ہے تو صرف خواب کی بناء پر ابولہب کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں تک بندہ نے حضرت ابوطالب کے ایمان پر پانچ دلائل ذکر کئے ہیں اور منکرین ایمان ابوطالب نے چونکہ بعض دلائل کے جواب دیئے ان جوابات کو ذکر کر کے ان کا رد کیا گیا ہے۔ اب دلیل ششم ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل ششم:

ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حدیث شریف ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا شفاعتی لاهل الکبائر من امتی یعنی میری امت سے جنہوں نے کبائر کا ارتکاب کیا ہے میں ان کی شفاعت کروں گا۔ یہ امر مسلم ہے کہ ان اہل کبائر سے مراد مسلمان اور مومن ہیں کیونکہ کافر کے لئے شفاعت نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اور چونکہ حدیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوطالب کے لئے شفاعت ہوگی اور شفاعت ان کو نفع بھی دے گی لہذا حضرت ابوطالب بھی مذکورہ بالا حدیث میں داخل ہیں اور مسلمان ہیں۔

دلیل ہفتم:

محدث ابن اسحٰق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث نقل فرمائی

ہے۔ عن ابن عباس ان اباطالب لما تقارب منه الموت بعد ان عرض عليه النبی صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم ان يقول لا اله الله فابٰی قال فنظر العباس اليه وهو يحرك شفتية فاصغی اليه فقال یاابن اخی واللہ لقد قال اخی الكلمة التی امرته ان يقولها خلاصہ حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوطالب قریب المرگ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو فرمایا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو ابوطالب نے انکار کیا اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابوطالب اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے ہیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا کان ابوطالب کی طرف جھکایا اور آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کی کہ جس کلمہ طیبہ کا آپ نے ابوطالب کو حکم فرمایا تھا وہ کلمہ میرے بھائی (حضرت ابوطالب) نے پڑھ لیا ہے۔ تو اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ اگرچہ ایک دفعہ کلمہ پڑھنے سے انکار کیا لیکن اس کے بعد قبل از مرگ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تو ان کی موت ایمان پر ہوئی۔ منکرین ایمان ابوطالب اس حدیث کے کئی جواب دیتے ہیں۔

جواب اوّل:

اس حدیث کے راوی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ اس وقت مسلمان نہیں تھے لہٰذا یہ حدیث قابل حجۃ نہیں ہے۔ یہ جواب چند وجوہ سے مردود ہے۔

وجہ اوّل:

یہ درست ہے کہ حضرت ابوطالب کی موت کے وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن ہمارا استدلال محض حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے نہیں ہے بلکہ ہمارا استدلال اس طرح ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو ابوطالب کے کلمہ پڑھنے کے متعلق عرض کی تو

آنحضرت ﷺ خاموش رہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کی تقریر فرمائی تو گویا آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بات کو درست تسلیم کیا تو بندہ کا استدلال اس تقریر سے ہے کیونکہ اصول حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کی تین قسم ہیں۔ (۱) قول، (۲) فعل، (۳) تقریر اور تقریر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی فعل کا مشاہدہ فرمادیں یا کوئی بات سنیں اور سکوت فرماویں تو یہ سکوت دلیل ہے کہ وہ فعل اور قول درست اور صحیح ہے۔

وجہ دوم:

مذکورہ بالا حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور اپنے والد سے روایت کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث اپنے والد سے بعداز اسلام حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ یہاں تک منکرین ایمان ابوطالب کے جواب اول کا رد ہے اب ان کا جواب دوم ملاحظہ فرماویں۔

جواب دوم:

مسلم شریف میں ایک حدیث ہے لما حضرت اباطالب الوفاۃ جاءہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوجد عندہ اباجھل وعبداللہ بن امیۃ بن المغیرۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا عم قل لا الہ الا اللہ کلمۃ اشھد لک بھا عند اللہ فقال ابوجھل وعبداللہ بن امیۃ یا اباطالب اترغب عن ملۃ عبدالمطلب فلم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعرضھا علیہ ویعید لہ تلک المقالۃ حتی قال ابوطالب آخر ما کلمھم ھو علی ملۃ عبدالمطلب وابی ان یقول لا الہ الا اللہ الحدیث خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ جب ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ ان کے

پاس آئے تو ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی ابوطالب کے پاس بیٹھے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے چچا لا الہ الا اللہ پڑھو، تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں تمہارے کلمہ کی گواہی دوں گا تو ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے ابوطالب کو کہا کہ تو حضرت عبدالمطلب کے دین سے پھرتا ہے تو آنحضرت ﷺ ابوطالب پر بار بار کلمہ طیبہ پیش کرتے رہے تو حضرت ابوطالب نے ابوجہل وغیرہ سے جو آخری کلام کی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور کلمہ طیبہ پڑھنے سے انکار کیا۔ منکرین ایمان ابوطالب کہتے ہیں کہ حدیث ابن اسحٰق سے ابوطالب کا ایمان ثابت ہوتا ہے اور حدیث مسلم شریف سے ان کا کفر ثابت ہوتا ہے تو ہر دو حدیث میں تعارض ہے تو چونکہ مسلم شریف کی حدیث اصح ہے لہٰذا اس کو ترجیح ہوگی۔ یہ جواب کئی وجہ سے مردود ہے۔

وجہ اوّل:

حدیث ابن اسحٰق اور حدیث مسلم شریف میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ مسلم شریف میں یہ الفاظ ہیں آخر ما کلمھم ھو یعنی ابوجہل وغیرہ کے ساتھ ابوطالب کی آخری کلام یہ تھی اور حدیث ابن اسحٰق کے یہ الفاظ ہیں۔ بعد ان عرض النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان یقول لا الہ اللہ فابی الحدیث یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو ابوطالب سے کلمہ طیبہ سنا تو یہ ابوجہل وغیرہ سے کلام کرنے کے بعد کا واقعہ ہے تو انکار ابوطالب پہلے ہے اور کلمہ طیبہ بعد میں تو زمانہ کا اختلاف ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے تعارض تب ہوتا کہ مسلم شریف کے یہ لفظ ہوتے قال ابوطالب آخر کلامہ یعنی ابوطالب کی آخری کلام یہ تھی حالانکہ الفاظ اس طرح نہیں ہیں۔ منکرین پر حیرت ہوتی ہے کہ مسلم شریف کے واضح الفاظ کے

باوجود اسے متعارض قرار دیا۔

وجہ دوم:

منکرین ایمان ابوطالب نے حدیث مسلم کو اصح کہا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک حدیث ابن اسحٰق صحیح ہے تو اب منکرین کے نزدیک صحیح اور اصح میں تعارض ہے تو بندہ کہتا ہے کہ یہاں ایمان ابوطالب میں صحیح کو ترجیح ہے۔ کیونکہ بندہ قبل ازیں مقدمہ میں ذکر آیا ہے کہ الاسلام یعلوا ولا یعلی یعنی ایمان اور کفر کے دلائل میں تعارض ہوتو اسلام کو ترجیح ہے اگرچہ اسلام کے دلائل کمزور ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ فقہاء کا قاعدہ ہے۔

وجہ سوئم:

منکرین ایمان ابوطالب نے حدیث مسلم شریف کو اصح کہا ہے کہ یہ صحیحین کی حدیث ہے اور ابن اسحٰق کی حدیث صحیحین کی حدیث نہیں ہے تو بندہ اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ حدیث مسلم اس لئے اصح ہے اور اس کو ترجیح اس وجہ سے ہے کہ یہ حدیث مسلم شریف میں ہے دیکھئے مسلم شریف میں ایک حدیث ہے جس سے آنحضرت ﷺ کے والد ماجد کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ محققین کے نزدیک ترجیح ان احادیث کو حاصل ہے جن سے آپ کے والدین کریمین کا مسلمان ہونا ثابت ہے حالانکہ ایمان کی احادیث صحیحین میں نہیں ہے اسی طرح حضرت ابوطالب کے ایمان کی حدیث اگرچہ صحیحین میں نہیں ہے لہٰذا اس کو ترجیح ہوگی۔

وجہ چہارم:

حدیث شریف میں تصریح ہے کہ حضرت ابوطالب نے موت کے وقت فرمایا کہ میں عبدالمطلب کے ملت پر ہوں اور لا الہ الا اللہ سے انکار کیا ہے اب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محققین اہل سنت کے نزدیک حضرت عبدالمطلب موحد تھے تو عبدالمطلب کی ملت پر ہونا توحید کا اقرار ہے اور پھر لا الہ الا اللہ بھی تو کلمہ توحید ہے حالانکہ اس کلمہ سے انکار کیا ہے تو گویا توحید کا اقرار بھی ہے اور انکار بھی اور یہ صریح تعارض ہے تو اس تعارض کا جواب یہی ہوگا کہ ملت عبدالمطلب یہ توحید اجمالی ہے اور لا الہ الا اللہ یہ توحید تفصیلی ہے تو توحید اجمالی کا اقرار کیا ہے اور توحید تفصیلی سے انکار تو حضرت ابوطالب توحید اجمالی کے لحاظ سے موحد اور مسلمان ہوئے کیونکہ علم کلام میں تصریح ہے کہ ایمان اجمالی مومن ہونے کے لئے کافی ہے اور توحید تفصیلی سے انکار ابوطالب کے ایمان کے منافی نہیں ہے لہٰذا حضرت ابوطالب مکرہ تھے اگر اس وقت صراحۃً اپنے ایمان کا اقرار کرتے تو ان کو اپنی جان اور آنحضرت ﷺ کی جان کا خطرہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار قریش اپنے ہم مذہب کا بڑا لحاظ کرتے تھے اگرچہ وہ معمولی آدمی ہوتا تھا چہ جائیکہ وہ آدمی بڑے رتبہ والا ہو اور جو آدمی مسلمان ہو جاتا تھا تو اس کی جان کے دشمن ہو جاتے تھے تو حضرت ابوطالب قریش سے ایسی کلام فرماتے تھے کہ قریش یہ وہم کرتے تھے کہ ابوطالب ہمارے مذہب سے ہیں اور اس وجہ سے قریش قتل جیسے اقدام سے اجتناب کرتے تھے۔ چنانچہ کتب حدیث میں موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابوطالب کی موت کے بعد فرماتے تھے کہ حضرت ابوطالب کی موت کے بعد قریش نے مجھے ایسی ایذا دی کہ ابوطالب کی زندگی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں وکان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یقول لمامات ابوطالب نالت قریش منی الاذی مالم تکن تطمع فیہ فی حیاۃ ابی طالب یعنی آنحضرت ﷺ حضرت ابوطالب کی موت کے بعد فرماتے تھے کہ قریش نے مجھے ایسی ایذاء اور تکلیف دی ہے کہ حضرت ابوطالب کی

زندگی میں ایسی ایذاء کا خیال بھی نہ کرتے تھے زیادہ سے زیادہ کفار قریش نے حضرت ابوطالب کو یہ پیشکش کی کہ آپ ہم سے دگنا خون بہا لے لیں اور آنحضرت ﷺ کو قریش کے سپرد کردیں کہ وہ آپ کو قتل کردیں لیکن حضرت ابوطالب اور دوسرے بنو ہاشم نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور مکہ مکرمہ چھوڑ کر شعب ابی طالب میں چلے گئے۔ خلاصہ وجہ چہارم یہ ہے کہ اگر ابوطالب اعلانیہ اپنے ایمان کا اظہار فرماتے تو ان کو اپنی اور اپنی اولاد اور آنحضرت ﷺ کی جان کو خطرہ تھا اس لئے کفار قریش کے سامنے گاہے (کبھی) ایسے الفاظ استعمال فرماتے تھے جن میں ایمان و کفر دونوں کا احتمال ہوتا تھا اور گاہے زبان پر صریح کفر بھی جاری کرتے تھے لیکن دل ایمان سے معمور ہوتا تھا۔ بندہ اس مقام پر حضرت ابوطالب کے ایمان پر دلائل نقل کر رہا ہے اور منکرین ایمان ابی طالب نے ان دلائل کے جو جواب دیئے ہیں ان کا ساتھ ساتھ رد بھی کر رہا ہے یہاں تک ایمان ابوطالب پر سات دلائل آچکے ہیں اب دلیل ہشتم ملاحظہ فرماویں۔

دلیل ہشتم:

صحیح مسلم شریف میں ہے عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ان اھون اھل النار عذاباً ابوطالب الخ دلیل کی تقریر سے قبل ایک مقدمہ ملاحظہ ہو لفظ نار کا اطلاق گرم دوزخ کے تمام طبقات پر ہوتا ہے اور اہل نار دو قسم ہیں۔ قسم اول مومن عاصی مرتکب الکبیرۃ قسم دوم جس کی موت کفر پر ہے اور چونکہ کفر اکبر کبائر سے ہے لہٰذا اس کا عذاب دوسرے تمام کبائر سے شدید اور سخت ہوگا اور یہی عدل کا مقتضی ہے۔ کفر کو اللہ ہرگز معاف نہیں کرے گا اس کے سوا جملہ کبائر میں امیدِ معافی ہے اور اگر کسی کافر کو مسلمان سے کم عذاب ہو تو یہ منافی

عدل ہے اس تمہیدی مقدمہ کے بعد دلیل کی تقریر ملاحظہ ہو کہ اہل نار خواہ کافر ہیں یا مومن حضرت ابو طالب کو ان سب سے نرم عذاب ہوگا اب اگر حضرت ابو طالب کے ایمان سے انکار کیا جائے تو لازم آئے گا کافر کو مومن سے نرم عذاب ہو اور یہ خلاف عدل اور خلاف اجماع ہے البتہ اگر حضرت ابو طالب مومن اور مسلمان ہوں اور ان کا عذاب کفار اور عاصی مومن سے نرم ہو تو کوئی خرابی نہیں ہے کیونکہ مومن کا عذاب کافر سے نرم ہونا بالکل عدل ہے منکرین ایمان ابو طالب اس دلیل کا جواب دیتے ہیں ان کا جواب ملاحظہ ہو۔ حدیث شریف میں یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کا عذاب تمام اہل النار کے عذاب سے نرم ہوگا اور اہل نار کا اطلاق کفار پر آتا ہے مومن عاصی پر اہل النار کا اطلاق نہیں آتا تو حدیث شریف سے صرف یہ ثابت ہوا کہ تمام کفار سے ابو طالب کا عذاب نرم ہوگا اب اگر ابو طالب مومن نہ ہو تو صرف یہ لازم آئے گا کہ ایک کافر کا عذاب دوسرے کفار کے عذاب سے نرم ہو اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ خرابی تب لازم آتی کہ ایک کافر کا عذاب مومن عاصی کے عذاب سے نرم ہو یہ جواب ایک نہایت مقتدر اور معزز شخصیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اب اس جواب کا رد ملاحظہ ہو۔ جواب کی مدار اس امر پر تھی کہ لفظ اہل النار کا اطلاق کفار کے ساتھ مختص ہے اور یہ درست نہیں، کتنی ہی احادیث ہیں جن میں اہل النار کا اطلاق مومن عاصی پر کیا گیا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث اوّل:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اذا دخل اھل الجنۃ الجنۃ و اھل النار النار یقول اللّٰہ تعالیٰ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فاخرجوہ فیخرجون الحدیث یعنی اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں

گے اور اہل نار آگ میں داخل ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر وہ جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے تو اس کو نکالو پس وہ نکالیں جائیں گے اور وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہونگے الخ جو لوگ نکالے جائینگے یہ اہل نار سے ہیں اور مومن ہیں اور ان پر اہل نار کا اطلاق ہے۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی ہے یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ کافر کبھی دوزخ سے نکالا نہیں جائے گا اور کافر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا البتہ مومن دوزخ سے نکالا جائے گا اور کوئی مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔

حدیث دوم:

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان الناس قالوا یارسول الله هل نری ربنا یوم القیامة (الی ان قال) ویبقی رجل بین الجنة والنار وهو آخر اهل النار دخولا الجنة الحدیث یعنی ایک آدمی جنت اور دوزخ کے درمیان رہ جائے گا اور جتنے اہل نار جنت میں داخل ہونگے یہ آدمی اہل نار سے ہوگا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ اب یہ آدمی مومن ہوگا اور اس پر اہل النار کا اطلاق ہے اور یہ واضح ہے بلکہ جتنے مومن دوزخ سے نکالے جائینگے وہ جنت میں داخل ہونگے سب پر اہل نار کا اطلاق اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں آخر اهل النار دخولاً الجنة یعنی یہ آدمی اہل نار سے ہوگا آخر میں جنت میں داخل ہوگا معلوم ہوا بعض اہل نار پہلے جنت میں داخل ہونگے اور بعض درمیان میں اور بعض آخر میں، اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جو آدمی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا وہ مومن اور مسلمان ہوگا یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم کی ہے۔

حدیث سوئم:

قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم انی لاعلم آخر اهل النار

خروجاً منها وآخر اهل الجنة دخولاً رجل یخرج من النار الحدیث یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اس اہل نار کو جانتا ہوں جو آخر میں آگ سے نکلے گا اور یہ آدمی اہل جنت سے بھی ہے کہ آخر میں جنت میں داخل ہوگا اب یہ آدمی جس کو سرکارِ دو عالم ﷺ جانتے ہیں اس پر اہل نار اور اہل جنت ہر دو کا اطلاق آیا ہے اور یہ مومن ہے اور یہ حدیث بھی بخاری اور مسلم کی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی احادیث ہیں جن میں مومن پر اہل النار کا اطلاق آیا ہے یہاں صرف ان تین احادیث پر اکتفاء کیا جاتا ہے بندہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہے کہ یہ کہنا کہ اہل النار کا اطلاق کفار کے ساتھ مختص ہے یہ قول ایک نہایت مقتدر عالم دین کی طرف منسوب ہے اور چونکہ بندہ نے احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اہل النار کا اطلاق مومن عاصی پر بھی آتا ہے تو یہ قول اس مقتدر عالم دین کا نہیں ہے اور اس کی طرف یہ نسبت غلط ہے۔

دلیل نہم:

قرآن پاک میں ہے واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئاً ولا یقبل منها شفاعة الایۃ یعنی اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور قبول نہ ہو اس کی طرف سے سفارش اور کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے اور نہ ان کی مدد ہو۔

اس آیۃ مبارکہ میں لفظ نفس اور شیئا ہر دو نکرہ تحت النفی ہیں اور یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نہ مومن کے لئے سفارش اور شفاعت ہوگی اور نہ کافر کے لئے اور فرقہ معتزلہ نے اسی آیت سے نفی شفاعت پر استدلال کیا ہے اور اہل سنت نے اس کا جواب دیا ہے کہ چونکہ احادیث متواترہ سے مومنوں کے لئے شفاعت ثابت ہے لہٰذا یہ آیت کفار کے ساتھ مختص ہے یعنی کسی کافر کی طرف سے

شفاعت قبول نہ ہوگی۔ اب بندہ کا استدلال یہ ہے کہ ماقبل حدیث مسلم شریف میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابوطالب کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت مقبول ہے اب اگر حضرت ابوطالب کو کافر کہا جائے تو پھر آیۃ مذکورہ بالا کے تحت نہ مسلمان داخل ہوگا اور نہ کافر یعنی مومن اور کافر ہر ایک کے حق میں شفاعت مقبول ہے تو آیت میں کوئی فرد بھی داخل نہ ہوا اور آیت کا مضمون مطابق واقعہ نہ ہوا اور نعوذ باللہ آیت کا مضمون مہمل ہوا۔ البتہ اگر حضرت ابوطالب کو مسلمان کہا جائے تو پھر آیت مبارکہ تمام کفار کے ساتھ مخصوص ہوگی بندہ یہاں اس کی ایک نظیر پیش کرتا ہے تاکہ استدلال واضح ہو جائے قرآن پاک میں ہے لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ یعنی جس ذبیحہ پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا جائے اس کو نہ کھاؤ۔ اب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرنا دو قسم ہے۔

قسم اول:

عمداً اور جان بوجھ کر ذکر نہ کرنا۔

قسم دوم:

نسیاناً اور بھول سے ذکر نہ کرنا۔ اگر بھول کر ذکر نہ کیا جائے اس پر اجماع ہے کہ ذبیحہ حلال ہے اور اگر جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے تو احناف کے نزدیک حرام ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ ذبیحہ بھی حلال ہے تو احناف نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا رد کیا ہے کہ آیۃ مبارکہ مذکورہ بالا میں جو اللہ تعالیٰ کا نام نہ ذکر کرنا بیان کیا گیا ہے اس کے دو قسم ہیں جان بوجھ کر ذکر نہ کرنا دوم بھول کر ذکر نہ کرنا دوسری قسم میں تو اجماع ہے کہ ذبیحہ حلال ہے اب اگر پہلی قسم میں بھی ذبیحہ حلال ہو تو آیۃ شریفہ مہمل ہو جائے گی اور اس کے تحت کوئی قسم بھی

باقی نہ رہے گی لہٰذا پہلے قسم میں ذبیحہ حرام ہے اور اس کو نہ کھایا جائے گا بعینہ اسی طرح بندہ نے استدلال میں جو آیۃ ذکر کی ہے جس میں مومن اور کافر ہر ایک کی شفاعت کی نفی ہے اب اہل سنت کے نزدیک مومن کے حق میں شفاعت مقبول ہے اور آیۃ کفار کے ساتھ مخصوص ہے اب اگر کافر کے لیے بھی شفاعت مقبول ہو تو آیۃ کے تحت کوئی قسم بھی داخل نہ رہے گی لہٰذا کسی کافر کے حق میں شفاعت قبول نہیں اور چونکہ حضرت ابو طالب کے حق میں شفاعت مقبول ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ کافر نہ تھے بلکہ مسلمان تھے۔

دلیل دہم:

قرآن پاک میں ہے (انك لا تهدی من احببت الآية) علامہ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اکثر اخبار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیۃ حضرت ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور نیز اس آیۃ کریمہ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو طالب کو محبوب جانتے تھے اب حضرت ابو طالب کو سب کرنا (برا بھلا کہنا) علویوں کی دل آزاری ہے بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے آنحضرت ﷺ کو ایذا ہو لہٰذا حضرت ابو طالب کے معاملہ میں احتیاط لازم ہے عبارت ملاحظہ ہو ثم انه علی القول بعدم اسلامه لاينبغی سبه والتكلم فيه بفضول الكلام فان ذالك مما يتا ذى به العلويون بل لا يبعدان يكون مما يتا ذى به النبی عليه الصلوٰة والسلام للذی نطقف الآية بناء علی هذا الروايات بحبه اياه والاحتياط لا يخفى على ذی فهم خلاصہ عبارت یہ ہے کہ آیۃ مذکورہ بالا سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو طالب کو آنحضرت ﷺ محبوب جانتے تھے کیونکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیۃ حضرت ابو طالب کے حق میں

نازل ہوئی ہے اور حضرت ابوطالب کا اسلام اختلافی ہے اور حضرت ابوطالب کو مسلمان اور مومن کہنے میں کسی کی دل آزاری نہیں ہے البتہ اس قول پر کہ وہ مسلمان نہیں ہیں حضرت ابوطالب کو سب اور دشنام ہے تمام علویوں کی دل آزاری ہے اور چونکہ حضرت ابوطالب آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں اس لئے ان کو سب اور دشنام کرنے سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء کا بھی احتمال ہے لہذا سب اور دشنام سے احتیاط لازم ہے علامہ صاحب روح المعانی نے علویوں کی دل آزاری کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ حدیث شریف میں ہے (لا تؤذوالاحیاء بسبب الاموات) اور چونکہ کفر بہت بڑی سب اور دشنام ہے لہذا اس سے ہر زمانہ کے علویوں کی دل آزاری ہے اور یہ ممنوع ہے اور روح المعانی نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء کا احتمال اس لئے ذکر کیا ہے کہ قرآن پاک میں ہے والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم اور ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ الآیۃ یعنی آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء پر وعید شدید ہے اس لئے جہاں ایذاء کا احتمال بھی ہو تو سمجھدار آدمی وہاں بھی احتیاط سے کام لے گا۔ البتہ حضرت ابوطالب کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مومن اور مسلمان تھے نہ تو اس میں علویوں کی دل آزاری ہے اور نہ ہی آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء کا احتمال ہے بلکہ اس میں ہر دو کی خوشنودی یا خوشنودی کا احتمال ہے جو امر مستحسن ہے اس دلیل دہم کی زیادہ وضاحت بھی کی جا سکتی تھی لیکن مجادلین کا خوف مانع ہے۔

دلیل یازدہم:

جس طرح آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے اسلام میں اختلاف ہے اور جو لوگ ایمان کے قائل ہیں ان کے دو قول ہیں۔

قول اوّل:

والدین کریمین کی وفات فترت پر تھی اور وہ اپنی زندگی میں مسلمان تھے اوران کی موت ایمان پر ہوئی ہے۔

قول دوم:

والدین کریمین کو بعداز موت زندہ کیا گیا اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے اسی طرح جولوگ ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں ان کے بھی دوقول ہیں۔

قول اوّل:

وہ اپنی زندگی میں مومن اور موحد تھے اوران کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔

قول دوم:

حضرت ابوطالب کو بعداز موت زندہ کیا گیا یا کہ زندہ کیا جائے گا اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے اور یہ اہل کشف اور بعض علماء ظاہر کا قول ہے جس کو علامہ برزنجی اورسید احمد دحلان نے بایں الفاظ ذکرفرمایا ہے۔ان کثیرا من اهل السنة والجماعة من بنی هاشم وغیر هم یعتقدون نجاته تبعا لما جاء فی ذالك ولما نقله الجهابذة الفخام الحقیقیون بان یتخذوا حجة للخلق لدی الملك العلام وهم الامام السبكی والامام القرطبی والامام الشعرانی رحمهم الله تعالی علی الدوام ان الله احیا اباطالب وآمن بالمصطفیٰ ومات مسلما الخ یعنی بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم سے اکثر علماء اہل سنت و جماعۃ حضرت ابوطالب کی نجاۃ کا عقیدہ رکھتے ہیں اس لئے کہ اس میں اخبار وارد ہیں اور اس

لئے یہ بڑے بڑے بزرگ علماء سے منقول ہے اور یہ بزرگ علماء اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کے لئے دلیل ہیں اور وہ بزرگ علماء امام سبکی اور امام قرطبی اور امام شعرانی ہیں حضرت خواجہ شیخ الاسلام فرید الحق والدین جناب مسعود گنج شکر کے ملفوظات میں بھی مرقوم ہے کہ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی جب دوبارہ زمین پر تشریف لائینگے تو اس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مردہ کو باذن خداوندی زندہ فرمائینگے اور وہ مردہ جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے گا اور یہ مردہ حضرت ابوطالب ہوں گے اس دلیل پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ گیارہویں دلیل پہلی دلیلوں کے معارض ہے کیونکہ سابقہ دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب اپنی پہلی زندگی میں مومن اور مسلمان تھے اور گیارہویں دلیل سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوطالب کو مرنے کے بعد زندہ کیا گیا اور وہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے تو اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔

جواب اوّل:

تمام گیارہ دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جس طرح مومن عذاب دائمی سے نجات حاصل کرینگے اسی طرح حضرت ابوطالب کو بھی نجات حاصل ہوگی اور ہمارا مقصد نجاۃ ابی طالب ہے خواہ اس کا سبب یہ ہو کہ حضرت ابوطالب اپنی پہلی زندگی میں مومن تھے یا کہ یہ سبب ہو کہ موت کے بعد ان کو زندہ کیا گیا اور وہ ایمان لائے بہرحال تمام گیارہ دلائل نجاۃ ابی طالب اور ایمان ابی طالب میں مشترک ہیں اور یہی مابہ الاشتراک بندہ کا مقصد ہے اس جواب اول کو علامہ سید احمد دحلان نے بایں الفاظ ذکر فرمایا ان کثیرا من العلماء المحققین و کثیر امن

الاولیاء العارفین ارباب الکشف قالو ابنجاۃ ابی طالب ...... منھم القرطبی والسکبی والشعرانی وخلائق کثیر ...... وان کان ثبوت ذالك عندھم بطریق غیر الطریق الذی سلکه البرزنجی فقد اتفق معھم علی القول بنجاته یعنی علمائے محققین اور اولیائے عارفین میں سے اکثر نے نجاۃ ابی طالب کا قول کیا ہے اور ان سے قرطبی اور سبکی اور شعرانی اور بہت مخلوق ہے۔

جواب دوم:

جس طرح ابوین کریمین کے ایمان میں تین قول ہیں۔

قول اوّل:

ان کی موت فترت پر ہوئی۔

قول دوم:

بعد موت ان کو زندہ کیا گیا ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے۔

قول سوم:

ان کی موت فترت پر بھی تھی اور بعد موت ان کو زندہ بھی کیا گیا اور وہ ایمان لائے تا کہ دو فضیلتیں ان کو حاصل ہوں، اسی طرح حضرت ابوطالب کے ایمان میں بھی تین قول ہیں اور بندہ نے جو دلائل دیئے ہیں یہ تیسرے مذہب پر ہیں یعنی پہلے دس دلائل سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ حضرت ابوطالب اپنی پہلی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے اور چونکہ یہ ایمان اکراہ کا ایمان ہے اس لئے گیارہویں دلیل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ بعداز موت حضرت ابوطالب کو زندہ کیا گیا اور وہ بلا اکراہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے تا کہ

ان کو وہ ایمان کی فضیلت حاصل ہو خلاصہ یہ کہ حضرت ابوطالب کا معاملہ والدین کریمین کا معاملہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابوطالب کی محبت اور شفقت والدین سے کم نہیں ہے۔

دلیل دوازدہم:

یہ الزامی دلیل ہے اور قبل از دلیل ایک تمہید بیان کرنا ضروری ہے (تمہید) بندہ قبل ازیں بیان کر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابوطالب کی محبت اور شفقت والدین سے کم نہیں ہے اس لئے حضرت ابوطالب کا معاملہ ابوین کریمین والا ہے یعنی جس طرح ابوین کریمین کے ایمان میں اختلاف ہے اسی طرح حضرت ابوطالب کے ایمان میں بھی اختلاف ہے اور علی تقدیر ایمان جتنے قول ابوین کریمین کے ایمان میں ہیں اتنے قول ہی حضرت ابوطالب کے ایمان میں ہیں اور علی تقدیر عدم ایمان جس طرح علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ ابوین کریمین کے متعلق احتیاط سے کام لینا لازمی ہے اور کوئی گستاخانہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے اور سب اور دشنام سے احتراز لازم ہے اسی طرح علماء کرام نے حضرت ابوطالب کے متعلق بھی تصریح فرمائی ہے اور بندہ اس کو علامہ صاحب روح المعانی کی عبارت سے بیان کر چکا ہے ابوین کریمین کے متعلق علماء کی تصریح ملاحظہ ہو علامہ ابن عابدین شامی نے ابوین کریمین کی نجات پر بحث کرتے ہوئے فرمایا (وبالجملة کما قال بعض المحققین انه لاینبغی ذکر هذه المسئلة الامع مزید الادب ولیست من المسائل التی یضر جهلها اویسئل عنها فی القبرا و فی الموقف فحفظ اللسان عن التکلم فیها الابخیر اولی واسلم) یعنی بعض محققین نے ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ پر فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کو ادب کے ساتھ ذکر کرو اور یہ مسئلہ ان مسائل سے نہیں ہے کہ

ان کا نہ جاننا ضرر دے اور ان مسائل سے بھی نہیں ہے کہ قبر یا قیامت میں اس کا سوال ہو پس خیر اسی میں ہے کہ جب بھی بات کرے ذکر خیر کرے یہاں تک بندہ نے ابوین کریمین اور حضرت ابو طالب کے درمیان مابہ الاشتراک بیان کیا ہے یعنی وہ امر جس میں دونوں شریک ہیں اب ہر دو کے درمیان مابہ الامتیاز ملاحظہ ہو یعنی وہ امر جس سے ہر دو کے درمیان فرق ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیحین میں ایسی احادیث ہیں جن سے ابوین کریمین کا مسلمان نہ ہونا معلوم ہوتا ہے احادیث کا مضمون ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے (استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یأذن لی) یعنی آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ جل مجدہ سے اپنی والدہ کے لئے طلب بخشش کی اجازت مانگی پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔ اس حدیث شریف سے آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کا مسلمان نہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ استغفار صرف کافر کے لئے نہیں ہوتا اور مسلم شریف میں ایک اور حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے (ان رجلاً قال یا رسول اللہ این ابی قال فی النار فلما قفاد عاہ فقال ان ابی واباك فی النار) یعنی ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ کو عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کہاں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آگ میں پس جب اس آدمی نے پیٹھ پھیری تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا میرا اور تیرا باپ آگ میں ہیں اس حدیث شریف سے بھی والد مکرم کا مسلمان نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اس طرح فقہ اکبر میں ہے ان والدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماتا علی الکفر یعنی آنحضرت ﷺ کے والدین کی موت کفر پر ہے۔ البتہ والدین کریمین کا مسلمان ہونا ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے جو کہ صحیحین میں نہ ہونے کے باوجود ضعیف بھی ہیں لیکن علماء اہل سنت دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرتے ہیں اور والدین شریفین کے اسلام کے قائل ہیں برخلاف حضرت ابو طالب کے کہ ان کا مسلمان ہونا جن

احادیث سے ثابت ہوتا ہے وہ مسلم شریف کی احادیث ہیں جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی برکت سے ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی اور آپ کی شفاعت ابو طالب کے حق میں مقبول ہوگی اور تخفیف عذاب اور قبول شفاعت ہر دو ایمان کے دلائل میں سے ہیں یہاں تک اس فقیر نے والدین شریفین اور حضرت ابو طالب کے درمیان وجہ فرق بیان کی ہے یہاں تک دلیل دوازدہم کی تمہید ذکر کی گئی ہے اب بندہ دلیل بیان کرتا ہے کہ جو علماء اہل سنت ابوین کریمین کو مسلمان مانتے ہیں اور حضرت ابو طالب کو کافر خیال کرتے ہیں بندہ کے نزدیک ان کا یہ فرق تعجب انگیز ہے یعنی ابوین کریمین کا اسلام احادیث ضعیفہ سے ثابت کرتے ہیں اور حضرت ابو طالب کا ایمان احادیث صحیحہ ہونے کے باوجود تسلیم نہیں کرتے اس فقیر نے غور کیا تو صرف دو امر معلوم ہوتے ہیں۔

اوّل:

حضرت ابو طالب کے ایمان پر دلائل سے یہ لوگ ناواقف ہیں۔

دوم:

جب انہوں نے حضرت ابو طالب پر کفر کا فتویٰ لگا دیا تو اس سے رجوع میں وہ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو خطاء سے مبرا خیال کرتے ہیں حالانکہ ائمہ مجتہدین سے بھی خطاء کا احتمال ہے بلکہ بعض ائمہ کرام نے اپنے اقوال سے رجوع بھی کیا ہے۔

دلیل سیزدہم:

یہ دلیل بندہ کے نزدیک کمزور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دلیل اہل تشیع کی ہے اور بندہ دلیل کے ذکر کے بعد بیان کرے گا کہ یہ دلیل ضعیف ہونے کے باوجود

کیوں ذکر کی گئی ہے دلیل ملاحظہ ہو صاحب روح المعانی نے اپنی مشہور تفسیر میں ذکر فرمایا ہے ومسئلة اسلامه خلافية وحكاية اجماع المسلمين اوالمفسرين على ان الاية نزلت فيه لاتصح فقد ذهب الشيعة وغير واحد من مفسر يهم الى اسلامه وادعوا اجماع ائمة اهل البيت على ذالك وان اكثر قصائده تشهد له بذالك الخ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کے اسلام میں اختلاف ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ تمام مسلمانوں یا تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ قولہ تعالیٰ انک لاتھدی من احببت الایۃ حضرت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی ہے یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ تمام شیعہ اور ان کے مفسرین حضرت ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ائمہ اہل بیت کا ابوطالب کے ایمان پر اجماع ہے اور ابوطالب کے اکثر اشعار ان کے اسلام پر دلالت کرتے ہیں روح المعانی کی مذکورہ بالا عبارت سے بندہ کی دلیل صرف یہ ہے کہ بقول اہل تشیع حضرت ابوطالب کے ایمان پر ائمہ اہل بیت کا اجماع ہے اور چونکہ اہل تشیع نے یہ اجماع نقل کیا ہے اس لئے اہل سنت کے نزدیک یہ دلیل ضعیف ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ دلیل ضعیف تھی تو بندہ نے اس کو کیوں ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب شیعہ نے اسلام ابوطالب پر ائمہ اطہار کا اجماع نقل کیا ہے تو اس اجماع کو کلیۃً باطل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ائمہ اہل بیت سے بروایت صحیح ثابت کیا جائے کہ وہ اسلام ابوطالب کے قائل نہ تھے لیکن یہ فقیر کامل تتبع کے باوجود اس میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اگر کوئی صاحب علم اس پر مطلع ہو تو بندہ کو زندگی میں مطلع کرے یہاں تک بندہ نے حضرت ابوطالب کے ایمان کا تیرہ دلائل سے ثابت کیا ہے اب بندہ ان لوگوں کے دلائل نقل کر کے ان کا جواب دے گا جو حضرت ابوطالب کے اسلام کے قائل نہیں ہیں۔ ان لوگوں کے بعض دلائل کا جواب ماقبل میں دیا جاچکا ہے لہٰذا بندہ یہاں اس کا اعادہ نہیں کرے گا۔

دلیل اول:

قولہ تعالیٰ انک لاتھدی من احببت الآیۃ یہ آیت ابوطالب کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب مسلمان نہیں تھے۔

جواب:

اس آیت سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہدایت اور ایصال الیٰ المطلوب کو پیدا نہیں فرما سکتے ہدایت کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اب یہ آیت سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ ان ہر دو کے اسلام کو بھی پسند فرماتے تھے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ہر دو مسلمان نہ تھے بلکہ جو صحابہ بھی اسلام لائے تو ہدایت کے خالق آنحضرت ﷺ نہ تھے بلکہ ہدایت کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تو آیت مذکورہ بالا اگر تسلیم کر لی جائے کہ حضرت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی ہے تو اس سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ دوسرے صحابہ کی طرح حضرت ابوطالب کے اسلام کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حیرت یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ سے ابوطالب کا کفر کیسے ثابت ہوتا ہے یہ ایک قاعدہ ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص مورد کا لحاظ نہیں ہوتا تو اس قاعدہ کے مطابق آنحضرت ﷺ سب صحابہ کے ایمان کو محبوب جانتے تھے اور اس آیت سے جو لوگ کفر ابوطالب ثابت کرتے تھے ان پر لازم آئے گا کہ کوئی صحابی مسلمان نہ ہو نعوذ باللہ من ذالک بریں عقل و دانش بباید گریست۔

دلیل دوم:

علماء اہل سنت کا ابوطالب کے کفر اور عدم ایمان پر اجماع ہے لہٰذا ابوطالب کے اسلام کا قول کرنا خلاف اجماع ہے۔

جواب:

ابوطالب کے کفر پر نہ تو تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور نہ ہی علماء اہل سنت کا کیونکہ بندہ نے روح المعانی کی عبارت سے ثابت کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کے اجماع کا قول درست نہیں ہے اور نیز بندہ نقل کر چکا ہے کہ علامہ قرطبی اور امام شعرانی اور ان کے سوا کثیر علماء اہل سنت اسلام ابوطالب کے قائل ہیں لہٰذا مسلمانوں اور اہل سنت کے اجماع کا دعویٰ باطل ٹھہرا۔

دلیل سوم:

مخالفین کی یہ دلیل بہت کمزور اور عقل و دانش سے بعید ہے دلیل ملاحظہ ہو چونکہ بعض اکابر اہل سنت کا یہ خیال ہے کہ ابوطالب مسلمان نہیں ہے اور اس مسئلہ پر ان کی تصنیف بھی ہے تو حضرت ابوطالب کے اسلام پر دلائل دینا اور اس پر لکھنا ان اکابرین اہل سنت کی گستاخی ہے اور اس مسئلہ پر ان اکابرین کی تحقیق آخری تحقیق ہے جس کا خلاف متعذر ہے۔

جواب:

اکابرین اہلسنت سے اختلاف دو قسم ہے۔

قسم اوّل:

اختلاف بلا دلیل یعنی اکابرین نے ایک مسئلہ کو دلائل سے ثابت کیا ہے اب کوئی اس مسئلہ سے اختلاف کرتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی دلیل ادلہ معہودہ معلومہ سے نہیں ہے یہ قسم اختلاف مذموم اور اکابرین اہل سنت کی گستاخی ہے بلکہ یہ اختلاف ہی نہیں بلکہ خلاف باطل ہے۔

قسم دوم:

اختلاف بادلیل یعنی اکابر اہل سنت نے ایک مسئلہ کو مدلل کیا ہے اس کے بعد کوئی آدمی اکابرین سے اس مسئلہ میں اختلاف کرتا ہے اور اس اختلاف پر اس آدمی کے پاس اس کے خیال میں راجح دلائل ہیں یہ قسم اختلاف مستحسن ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ اگر ایک مسئلہ پر کسی آدمی کے پاس کتاب وسنت سے دلائل ہیں لیکن وہ آدمی اس مسئلہ کی ضد اور نقیض کا عقیدہ اس بناء پر رکھتا ہے کہ بعض اکابرین اہل سنت اس ضد اور نقیض کا قول کرتے ہیں تو اس آدمی کا یہ عقیدہ فاسد اور مذموم ہے کیونکہ اس آدمی نے شارع جل جلالہ یا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر بعض اکابرین کے قول کو ترجیح دی ہے اور یہ امر غایۃ درجہ مذموم اور قبیح ہے اور یہ ایک قسم کا شرک ہے جس کو قرآن پاک میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں رب تسلیم کرلیا ہے اور ان کو احکام کا اختیار دیا ہے اور ان کا قول فرمان خدا اور فرمان رسول کے برابر گردانا ہے۔ بندہ اس مسئلہ کو یہاں ایک مثال سے واضح کرتا ہے غور فرمائیں تمام اہل سنت جناب غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو اکابرین اہل سنت سے مانتے ہیں اور تمام اہل سنت حضرت غوث اعظم کے غلام ہیں لیکن تمام احناف بے شمار مسائل میں حضرت غوث اعظم کا خلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ احناف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ حنبلی مذہب رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان بے شمار مسائل میں اختلاف ہے اور چونکہ یہ اختلاف دلیل پر مبنی ہے اس لئے مذموم نہیں ہے اور احناف اس اختلاف کے باوجود حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے گستاخ نہیں ہیں اگر دلیل کی بناء پر بھی اختلاف مذموم ہے تو پھر احناف کو اپنا مذہب ترک کر کے حنبلی

مذہب اختیار کرنا چاہیۓ اسی طرح خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ شافعی المذہب ہیں اور احناف دلیل کی بناء پر حضرت خواجہ کا خلاف کرتے ہیں تو یہ مذموم نہیں ہے نیز بندہ ایک قریب ترین مثال پیش کرتا ہے وہ یہ کہ حضرت سید احمد دحلان قدس سرہ ایمان اور نجاۃ ابوطالب کے قائل ہیں اور اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب ہے اور یہ سید احمد دحلان اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے مشائخ میں سے ہیں حالانکہ اعلیٰ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ ایمان ابوطالب کے قائل نہیں ہیں بلکہ عدم ایمان پر رسالہ تحریر فرمایا ہے چونکہ یہ اختلاف دلائل پر مبنی ہے لہٰذا اعلیٰ حضرت نے اپنے شیخ کی گستاخی نہیں کی ہے اب اگر کوئی آدمی دلائل کی بناء پر اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے اختلاف کرتا ہے تو اس کو گستاخی کہنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ دیکھو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے اذا صح الحدیث فھو مذھبی یعنی اگر میرے بیان کردہ کسی مسئلہ کے خلاف تم کو صحیح حدیث مل جائے تو میرے بیان کردہ مسئلہ پر عمل نہ کرو اور حدیث شریف پر عمل کرو۔ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس قول میں چند امور کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

امر اوّل:

اس عقیدۂ بد کا رد فرمایا ہے کہ دلیل کی بناء پر اختلاف مذموم اور گستاخی ہے۔

امر دوم:

کوئی امتی خواہ کتنا ہی مجتہد اور امام کیوں نہ ہو اس کو شارع کا مرتبہ نہیں دیا جاسکتا۔

امر سوم:

کسی امام و مجتہد کی تحقیق آخری تحقیق نہیں ہے یہاں بعض لوگ ایک عامیانہ جاہلانہ سوال کرتے ہیں بندہ اس بجہ وہ سوال اور اس کا جواب نقل کرتا ہے۔

سوال:

تم جو کہتے ہو کہ دلیل کی بناء پر اکابرین اہل سنت سے اختلاف مستحسن بلکہ واجب ہے تو کیا اکابرین کو وہ دلائل معلوم نہ تھے جن کی بناء پر تم اکابرین سے اختلاف کرتے ہو حالانکہ اکابرین کا علم تم سے بہت زیادہ ہے۔

جواب:

قبل ازیں بندہ ذکر کر چکا ہے کہ احناف حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے دلائل کی بناء پر اختلاف کرتے ہیں تو یہاں بھی وہی سوال ہوتا ہے کہ ان ہر دو اکابرین اہل سنت کو احناف کے دلائل کا علم نہیں تھا اور اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ میرے مذہب کے مقابلہ میں حدیث صحیح پر عمل کرو یہاں بھی وہی جاہلانہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیا حضرت امام کو اس حدیث کا علم نہیں تھا۔

خاتمہ:

عام طور پر قاعدہ یہ ہے کہ کسی کتاب یا مضمون کی وجہ تالیف ابتداء میں ذکر کی جاتی ہے لیکن مذکورہ بالا مضمون کی وجہ تالیف یہاں اخیر میں ذکر کی جاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وجہ تالیف ماقبل پر موقوف ہے اور ماقبل وجہ تالیف کی دلیل ہے وجہ تالیف کے کئی وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل:

یہ ایک قاعدہ ہے کہ مدلول کی نفی سے دلیل کی نفی ہو جاتی ہے لیکن دلیل کی نفی سے مدلول کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس مدلول پر کوئی اور دلیل

بھی ہو خلاصہ یہ کہ دلیل ملزوم اور مدلول لازم ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہو جاتی ہے لیکن ملزوم کی نفی سے لازم کی نفی نہیں ہوتی۔ تفصیل کتب منطقیہ میں ہے اس مضمون سے بندہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کے عدم ایمان پر یا عدم نجاۃ پر جو دلائل ہیں وہ ان دلائل کے مقابلہ میں کمزور ہیں جن سے آپ کا ایمان اور نجاۃ ثابت ہوتی ہے۔

وجہ دوم:

بندہ قبل ازیں روح المعانی کی عبارت نقل کر چکا ہے کہ حضرت ابوطالب کو سب اور دشنام کرنے میں آنحضرت ﷺ کی ایذاء کا احتمال ہے اور آپ کی ایذاء پر قرآن مجید میں وعید شدید ہے کقولہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ آلایۃ اور کسی کے کفر کی تشہیر کرنا بہت بڑا سبب اور دشنام ہے اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب کے ایمان کو ثابت کرنے میں ان کی بڑی تعظیم وتکریم ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کی خوشنودی کا احتمال ہے بندہ نے یہ مضمون اس امید پر لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس فقیر حقیر سراپا تقصیر کے اعمال کا ملاحظہ فرمائینگے تو ہوسکتا ہے کہ یہ مضمون آپ ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ اس فقیر کے گناہ معاف کر دے اور خاتمہ ایمان پر ہو جائے آمین یا رب العلمین

وجہ سوم:

اس مضمون سے چودھویں صدی کے ایک مذموم عقیدہ کا ابطال کرنا ہے کہ دلیل کی بناء پر بعض اکابرین سے اختلاف گستاخی ہے اور قرآن وحدیث کے مقابلہ میں اکابرین کے قول کو ترجیح ہے حالانکہ اکابرین کا اپنا فرمان یہ ہے کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی

تقریظ لطیف

از: حضرت صاحبزادہ مفتی محمد لطف اللہ نوری اشرفی

حضرت سیدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ

معمول کے مطابق امسال بھی 21 رمضان المبارک 1438ھ کے آخری عشرہ میں مرید کے اور لاہور جانا ہوا۔ مرید کے میں اپنے جدامجد حضرت فقیہ اعظم پاکستان مولانا الحاج ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قادری نوراللہ مرقدہ اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا الحاج ابوالفضل محمد نصراللہ نوری علیہ الرحمہ کے ممتاز شاگرد، یادگارِ اسلاف حضرت مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی سے ملاقات کا وقت بنا۔

ادیبِ ملت حضرت مدظلہ العالی ہر وقت اپنے قلم کو متحرک رکھتے ہیں۔ دعا ہے کہ خالق کائنات حضرت کے علم، عمل، عمر، صحت قلم، عزت اور قبولیت میں برکتیں عطا فرمائے اور حوادثِ دہر سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سیدنا طٰہٰ ویٰسین.

آپ سے ملاقات میں بہت سے اُمور زیر گفتگو آئے۔ اِسی دوران حضرت سیدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ایمان کے حوالہ سے بات چل نکلی۔ محترم المقام قبلہ تابش صاحب نے اپنی پیش نظر کتاب کا ذکر کیا تو موقف کی موافقت کی وجہ سے میں نے اُس پر تقریظ لکھنے کا ارادہ کیا۔ اب واپسی پر وعدہ کی تکمیل کیا چاہتا ہوں۔

بعض لوگ حضرت سیدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ کے عدمِ ایمان کی بات کرتے ہیں، مگر بکثرت علما آپ رضی اللہ عنہ کے ایمان کے قائل ہیں۔ آیئے! غور کریں کہ کس کا موقف درست ہے؟

اول یاد رہے کہ اِس مسئلہ میں اہل سنت کا باہم اختلاف ہے، جیسا کہ مفتیٔ مکہ اُستاذِ اعلیٰ حضرت، سید احمد دحلان علیہ الرحمہ کے رسالہ أسنى المطالب في نجاة ابى طالب سے ظاہر ہے۔

معروف کتاب "مقامِ رسول" میں مولانا منظور احمد فیضی علیہ الرحمہ اپنے ہی حاشیہ میں حضرت سیدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سنت کے تین موقف لکھتے ہیں: (1) ایمان۔ (2) عدمِ ایمان۔ (3) توقف۔ اِس کے بعد تین صفحات تقریباً ایمان کی تائید میں تحریر فرماتے ہیں۔

مقامِ رسول صفحہ: 533 تا 535 اور مدارج النبوت، صفحہ: 490، جلد: 2 میں ہے:

"صاحب جامع الاصول آوردہ کہ زعم اہل بیت آنست کہ ابوطالب مسلمان از دُنیا رفتہ۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم بصحته كذا فى روضة الاحباب"

اہل بیت کا گمان یہ ہے کہ ابوطالب دنیا سے مسلمان گئے۔

حدیث پاک ہے:

"لا تسبوا الأموات فتؤذوا الأحياء" کہ مردوں کو گالیاں نہ دو کہ اس طرح زندہ لوگوں کو تکلیف ہوگی۔

(مسند احمد بن حنبل صفحہ 53 جلد 8)

مقام غور ہے کیا عدم ایمان سے بڑی گالی کوئی ہوگی؟ جبکہ اس عدم ایمان کا ثبوت مخدوش ہے۔ کیا اس دعویٰ سے سادات کرام کو تکلیف ہوتی ہے یا نہیں؟ پھر گہری نظر سے غور کریں جب حیاۃ النبی ﷺ ہمارا اجماعی اتفاقی یقینی عقیدہ ہے تو کیا اس صورت میں اپنے مہربان و کریم نبی ﷺ کو اذیت تو نہیں دے رہے؟ اتنا تو فتاویٰ رضویہ کے مسئلہ زیر بحث سے متعلق رسالہ کے آخر میں ہے آپ کے ایمان کے قول پر تکفیر ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں:

"پھر بھی (کفر) اس حد کا نہیں کہ معاذ اللہ خلاف پر تکفیر کا احتمال ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 741 جلد 29)

تفسیر ضیاء القرآن، صفحہ 500 جلد 3 پر پیر کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

"لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اِس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اُسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہیے کہ ہم ممبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور

بیان ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر صرف کرتے رہیں۔اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں، عربی عبارت پیر صاحب نے درج کی ہے، اس کو ہم حذف کررہے ہیں، اس کے بعد ترجمہ لکھا ہے جو درج ذیل ہے:

''حضرت ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے اور جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں اُنہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں، کیونکہ اِس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے۔کوئی بعید نہیں کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو۔ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے۔''

میزان الاعتدلال کے مقدمہ میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام اور مجتہد ائمہ میں سے کسی کا جرح سے ذکر نہیں کروں گا کہ وہ جرح یعنی اعتراض قابل التفات نہیں۔''

ثانی یہ کہ کچھ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جس کا نام محمد یا علی ہو وہ کسی چیز کے مالک و مختار نہیں، جبکہ ہمارا عقیدہ کتاب وسنت کے مضبوط دلائل سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اللہ کریم کے بنانے سے مختار کل ہیں۔آپ تو آپ تھے، آپ کے فیض سے اولیائے امتِ کریمہ میں متعدد حضرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ شقی کو

سعید کردیں۔ مثلاً: حضرت غوث پاک، حضرت بابا فرید اور حضرت مجدد پاک علیہم الرحمہ کے متعدد واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔ یہ واقعات مستند حوالہ جات سے ثابت ہیں، جبکہ اولیاء کرام کے پاس جو کچھ ہے فیضان نبوت سے ہے اور سید الانبیاء ﷺ منبع فیض ہیں، مصدر محبوبیت ہیں۔ پھر اگر انتہائی وفا جانفشانی جان نثاری اور قربانی کے باوجود ابوطالب کو ایمان نہ دے سکے تو اختیار ہی محلِ سوال ہے، بلکہ محبتِ خدا بھی معاذ اللہ بے اختیار ماننی پڑے گی۔ قرآن پاک تو کہتا ہے:

"هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان" کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی ہے۔

تعجب ہے کہ ایک طرف ابولہب کو باندی آزاد کرنے پر ہر پیر کے روز ٹھنڈے پانی سے نوازا جاتا ہے اور دوسری طرف ہر قربانی دینے کے باوجود حضرت ابوطالب کو جہنمی کہنے پر زور دیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر الله جو انسان کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں۔

(مسند احمد بن حنبل، صفحہ 100 اور صفحہ 222، جلد 5)

پھر حدیث پاک ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت میں عرض کرتی ہیں:

"یارسول اللّٰہ ما اری ربک الا یسارع فی ھواک" یارسول اللہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب کریم آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔ (صحیح بخاری، صفحہ 766 جلد 2)

یاد رہے کہ عقائد اہلسنت قرآن وسنت کے قوی دلائل سے آراستہ ہیں اور ان کے خلاف وارد خبر واحد واجب التاویل اور نا قابل التفات ہے، انہی عقائد میں سے آپ علیہ السلام کا مختار کل ہونا ہے۔ اب اس مسئلہ زیر بحث پر غور کریں میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ جو مسلمان تعصب چھوڑ کر انصاف کی نظر سے یہ تحریر پڑھے گا وہ ان شاء اللہ تعالیٰ دلائل کے اعتبار سے حضرت سیدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ایمان کا قائل ہوگا۔

کسی عام مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کے لیے نصاب شہادت (یعنی کم از کم دو عاقل بالغ آزاد مسلمان مرد یا دو عورتیں جو موقعہ پر موجود ہوں) شرط اور ضروری ہے تو نسبت کفر وارتداد کے لیے کم از کم نصاب شہادت کا شرط ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ اب میرا سوال یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کے کفر کا گواہ کون ہے؟ روایتِ عدم ایمان جن حضرات سے مروی ہے ان میں سے کوئی تو اس وقت پیدا ابھی نہ ہوا تھا، کوئی بچپن کے ابتدائی سال میں تھا، کوئی اسلام بعد میں لایا اور موقع پر موجود بھی نہ تھا۔ صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ باقی رہتے ہیں اور ان سے ایمان پر شہادت کی روایت بھی ثابت ہے۔ اصول شہادت

کی روشنی میں وہ گواہ جو واقعہ کے وقت پیدا ہی نہ ہوا ہو یا بچپن کے ابتدائی سال میں ہو یا موقعہ پر موجود نہ ہوں ایسی گواہی سے تو کبیرہ گناہ کی نسبت ثابت نہیں ہوتی پھر کفر کس طرح ثابت ہوسکتا ہے اور کفر بھی اس شخصیت کا جو محسن اسلام ہے جس کی بانی اسلام سے محبت اور وفا ایسی بلند پایہ ہے کہ اس کی دوسری نظیر نہیں ملتی۔

روایت صحابہ میں جہاں راوی حذف ہوتا ہے وہ روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نزدیک قابل اعتماد نہیں بنتی۔ درسی کتاب اصول الشاشی صفحہ 113 میں ہے:

وتحقیق ذٰلک فیما روی عن علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ انّہ قالَ: کَانَت الرُّوَاۃُ عَلٰی ثَلٰثَۃِ أَقْسَامٍ: مُؤْمِنٍ مُخْلِصٍ، صحب رسول اللہ ﷺ و عرف معنی کلامہ، وأعرابی جاء من قبیلۃ فسمع بعض ما سمع ولم یعرف حقیقہ کلام رسول اللہ ﷺ،فرجع الی قبیلتہ، فروی بغیر لفظ رسول اللہ ﷺ، فتغیر المعنٰی وھو یظن أن المعنی لا یتفاوت، و منافق لم یعرف نفاقہ فروی ما لم یسمع وافتری، فسمع منہ اُناس فظنوہ مومنا مخلصا فرووا ذالک واشتھربین الناس.

''اس کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ

راویوں کی تین اقسام ہیں:

(1) مومن مخلص جو بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر رہا اور آپ کے کلام کے معنی کو سمجھا۔

(2) اعرابی جو اپنے قبیلہ سے آیا بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضری کا شرف پایا، آپ ﷺ کے کلام کا بعض حصہ سنا، آپ کی مراد کو نہ جانا، اپنے قبیلہ میں پلٹا اور اپنے الفاظ میں حدیث روایت کردی۔ اس کا گمان تھا کہ معنی نہیں بدلا جبکہ در حقیقت معنی بدل چکا تھا۔

(3) ایسا راوی جو منافق تھا لیکن اس کا منافق ہونا عیاں نہ تھا، اس نے بغیر سنے کچھ روایت کردیا اور افترا باندھا۔ سننے والے نے اُسے صحابی سمجھا اور آگے روایت کردی اور وہ روایت لوگوں میں مشہور ہوگئی۔"

صاحب اصول الشاشی فرماتے ہیں:

"اسی وجہ سے روایات کو کتاب اللہ اور سنت مشہورہ پیش کرنا ضروری ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ منقولہ عبارت کی بنا پر ایسی روایت جس میں صحابی نے راوی حذف کیا ہو وہ اس وقت تک (اہم مقامات پر) پورے اعتماد کے لائق نہیں جب تک حذف شدہ راوی کے بارے میں علم نہ ہوجائے۔ مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں ثابت ہے کہ کفر ثابت نہیں۔

اس مسئلہ پر علامہ صائم چشتی علیہ الرحمہ نے شاندار تحقیق انیق کے ساتھ ایمان ابوطالب کا اثبات اور کفر کا انکار وابطال کیا ہے اور زیر نظر کتاب جس کی تقریظ پڑھ رہے ہیں، اِس میں تابش صاحب قبلہ کے قلم کی تابانیوں سے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے۔

ہمارا موقف اثبات ایمان ہے۔ ایمان کی تعریف کیا ہے؟ نبی کریم تحیۃ والتسلیم کی ہر بات کوسچا ماننا۔ ہر ایسی بات جس کی طرف یقینی اور بدیہی نسبت حاصل ہو۔ جیسا کہ تفسیر کبیر، صفحہ ۴۲ جلد ۲، تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۷ جلد ۱، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ 107 جلد 1، شرح عقائد مع النبر اس، صفحہ 249، الدرالمختار صفحہ 354 جلد 6، البحر الرائق صفحہ 202 جلد 5، واللفظ للدر والبحر:

الایمان التصدیق بجمیع ما جاء به محمد ﷺ عن اللّٰہ تبارک وتعالیٰ مما علم مجیئه ﷺ به ضرورةً، وهل هو فقط اوهو مع الاقرار؟ قولان، فا کثر الحنفیة علیٰ الثانی، والمحققون علیٰ الاول.

پھر شرح سفر السعادة، صفحہ 506 پر شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وتحقیق آنست کہ حقیقت ایمان تصدیق قلبی است، واشتراط اقرار برائے صحت اجرائے احکام در دُنیاست، وشخص مذکور مومن است عنداللّٰہ

اگر چہ بجہت عدم اطلاع بر حقیقت دل حکم بداں نتوانیم کرد۔

یعنی ایمان نبی کریم ﷺ کی ہر بات کو دل سے سچا ماننا ہے۔ ہر وہ بات جس کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف معلوم ہو اس کو دل سے سچا تسلیم کرنا ایمان ہے اور زبان سے اقرار، اکثر احناف کے نزدیک شرط ہے اور محققین نے کہا کہ لسانی اقرار دنیا میں احکام اسلام کے اجرا کے لیے شرط ہے۔

حضرت ابوطالب نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق و اقرار کرتے ہیں، اذعان و اطاعت بجالاتے ہیں، جان و دل سے خدمت کرتے ہیں۔

دیوان ابوطالب صفحہ 21 پر ہے:

انت الرسول رسول اللّٰہ نعلمہ

علیک نزل من ذی العزۃ الکتاب

آپ رسول ہیں، اللہ کے رسول، ہمیں یقین ہے کہ آپ ﷺ پر عزت کے مالک کی بارگاہ سے کتاب نازل کی گئی ہے۔

پھر دیوان ابوطالب صفحہ 35 پر ہے:

"ان النبی محمد" یقیناً نبی محمد ہیں۔

قرآن کریم کا حکم ہے:

لا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلٰم لست مؤ منا. (سورۃ النساء:94)

تمہارے پاس جو کوئی اسلام کا دعویٰ کرے تو بلا وجہ اس کو رد نہ کرو، بلکہ تسلیم کرلو۔

یہ حکم عام ہے، تو محسن اسلام سراپا وفا و محبت رسول کریم علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ ایمان کیوں نہ قبول کیا جائے؟ اگر بعض مواقع پر اقرار کا اظہار نظر نہیں آتا تو اس ماحول میں بانیٔ اسلام علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے شاید یہی اخفا آپ کی جانب سے مناسب ہو، کیونکہ اس ماحول میں کوئی شخص کتنا ہی معظم کیوں نہ ہوتا جب اعلانیہ ایمان لاتا تو لوگ اس کی بات کی پرواہ بھی نہ کرتے اور اگر ایمان کے بغیر بات کرتا تو لوگ معاشرہ میں اس کے وقار کے مطابق اس کی بات کو وزن دیتے۔ اپنی جان بچانے کیلئے بظاہر کلمۂ کفر تک بولنے کی اجازت سب تسلیم کرتے ہیں، تو بانیٔ اسلام علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے بھی ذو معنی لفظ، جو بظاہر کلمۂ کفر ہو، اس کی بھی اجازت ہے۔

آپ علیہ وآلہ وسلم جب طائف سے واپس تشریف لائے اُس وقت معظم بن عدی نے نبی کریم علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دینے کا اعلان کیا۔ ابوسفیان (جو اس وقت تک کافر تھا) نے پوچھا: کیا ان کے پیروکار ہو یا اس کے بغیر تحفظ دیتے ہو؟ جب کہا: پیروکار ہوئے بغیر تحفظ دیتے ہیں تو اُس پناہ کو لوگوں نے قبول کیا۔

(سیرت حلبیہ صفحہ 507 جلد 1، مواہب اللدنیہ مع الشرح للزرقانی، صفحہ 66 جلد 2)

تحقیق یہ ہے کہ حضرت ابوطالب معاملہ فہم تھے۔ آپ نے بعض اوقات اقرار ایمان کا اظہار اس توقع پر نہ کیا کہ آپ کو امید تھی کہ لوگ آپ کی دوستی اور تعلق کا پاس بعد وفات بھی کریں گے اور نبی کریم علیہ وآلہ وسلم کو اذیت رسانی سے باز

رہیں گے۔تو نبی کریم علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی غرض سے ایسا لفظ بولنا جس کا ظاہر کفر ہواُس کا جواز قرآن حکیم کی سورۂ مؤمن میں مومن آل فرعون کے واقعہ سے صاف ظاہر ہے۔ یہ کہتا ہے کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) اگر سچا ہے ۔۔۔اور اگر جھوٹا ہے۔۔۔وغیرہ۔ بظاہر شک کے انداز کے باوجود قرآن پاک "یکتم ایمانہ" کہتے ہوئے اس کا ایمان قبول فرماتا ہے، جب کہ ابو طالب نے جو وصیت قوم کو کی وہ ایک طرف رکھیں تو واضح نظر آتا ہے کہ مومن آل فرعون سے قوی تر اور زیادہ مضبوط انداز بیان حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس وصیت کا بیان مواہب اللدنیہ و شرح زرقانی صفحہ 46 جلد 2، مدارج النبوۃ صفحہ 48 جلد 2 وغیرہ پر تفصیل سے موجود ہے۔ رہا توحید کا معاملہ تو ابو طالب نے وقتِ وصال لوگوں کی بیان کردہ روایت کے مطابق کہا تھا:

"أنا علیٰ دینِ عبد المطلب" کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔

مقام تعجب ہے ایک طرف تو حضرت عبدالمطلب کو موحد ماننے اور دوسری طرف ان کے دین والے کو مشرک کہیں، جبکہ حضرت ابو طالب کا کسی بت کو مدت عمر میں ایک سجدہ بھی ثابت نہیں۔ استسقاء کے موقعہ پر نبی کریم علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کریم سے دعا مانگی تو فوراً بارش برسنے لگی۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونے کے موقع پر بیٹوں اور بھائیوں کے ساتھ رات میں جگہ بدل دیا کرتے (اگر کچھ نقصان ہو تو دوسروں کا ہو آپ علیہ وآلہ وسلم

محفوظ رہیں) یہ جان نثاری اور وفا شعاری کی انوکھی داستان ہے۔ جو قصیدہ اس موقع پر کہا اس میں نبی کریم ﷺ کی تصدیق، اذعان اور مکمل ساتھ دینے کا بیان ہے۔ یہ قصیدہ پوری آب وتاب کے ساتھ زیر نظر کتاب میں موجود ہے۔ اس کے بعض اشعار مواہب اللدنیہ، صفحہ 359 جلد 1، شرح مواہب (زرقانی) 360، جلد 1، وغیرہ میں موجود ہیں۔ شرح سفر السعادۃ صفحہ 249 پر ہے کہ حضرت ابوطالب نے یہ عرض کیا:

وآں را پنہاں با تو گوئم۔ اور آپ کے پاس اس کو میں خفیہ پڑھتا ہوں۔

اخبار الاخیار صفحہ 135 پر بعد از احیاء ایمان ابوطالب کی روایت بھی درج ہے۔ اس میں مزید شرف والا معاملہ ہوسکتا ہے۔

بخاری شریف، مسلم شریف بڑی کتابیں ہیں لیکن صرف نام سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں، الزام کفر کے ثبوت کے لیے اصول روایت کافی نہیں یہاں شہادت کی ضرورت ہے اور اصول شہادت پر ثبوت کفر ہرگز نہیں۔

پھر حدیث صحیح، اولیائے کرام کی فضیلت میں وارد ہے:

"ھم القوم لا یشقی جلیسھم" یہ ایسے لوگ ہیں کہ پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔

متعدد اولیاء کرام کی نظر کیمیا اثر سے شقی سعید ہوئے، حالانکہ اولیائے کرام ہمہ تر قبولیت کے باوجود طفیلی ہیں۔ شیخ محقق علیہ الرحمہ جابجا فرماتے ہیں:

؎ مقصود ذاتِ اُوست دگر جملگی طفیل

جب طفیلیوں کے پاس خدمت واطاعت سے بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہتا تو اصل الاصول مقصود کے پاس وفا خدمت اور محبت سے رہنے والا ابوطالب برکاتِ مصطفیٰ سے کیسے محروم رہ سکتا ہے؟ بہت سے مفسرین کی بعض عبارات مغالطہ کا سبب بن سکتی ہیں لیکن اس کی بنیاد یہی روایات صحیحین ہیں جس کے متعلق تحقیق بتا چکے۔ اکثر مفسرین آیہ کریمہ "انک لا تھدی من احببت" سے حضرت ابوطالب کے عدم ایمان پر استدلال کرتے ہیں، لیکن امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ تفسیر کبیر صفحہ 5 جلد 9 میں فرماتے ہیں:

ھذہ الآیۃ لادلالۃ فی ظاھرھا علٰی کفر ابی طالب.

اس آیت کے ظاہر میں میں ابوطالب کے کفر پر کوئی دلالت نہیں۔

محققین نے مذکورہ آیت کے متعلق فرمایا: یہ اسی طریقہ پر ہے جس پر "مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی" ہے۔ چونکہ تاثیر مافوق العادۃ اللہ کریم کی تائید خاص سے ہے، اس لیے باوجودیکہ رمی صورۃً آپ علیہ السلام کی جانب سے صادر ہے، آپ کی جانب نسبت رمی سے انکار اور اللہ کریم کی طرف اس کا اثبات ہے۔ اسی طرح ہدایت دینا صورۃً آپ علیہ السلام کا کام ہے پھر بھی آپ علیہ السلام کی طرف ہدایت دینے کی نسبت کا انکار اور اللہ کی طرف اثبات ہے۔

جواہر البحار صفحہ 278 جلد 10 میں ہے:

بل انک لتهدی الیٰ صراط مستقیم باذن اللّٰه وتیسیره، حاصله انه قد ینسب الهدایة الیه ﷺ نظرا الیٰ کونه ﷺ من اسباب الهدایة، ومنه قوله سبحانه وانک لتهدی الیٰ صراط مستقیم، وتنفی عنه أخریٰ نظرا الی أن حقیقة الهدایة راجعة الی اللّٰه تعالی، ومنه قوله سبحانه انک لا تهدی من احببت، فیکون من قبیل مارمیت خلقًا وحقیقةً اذرمیت کسبًا وصورةً۔"

نبراس صفحہ 200 پر بطور احتمال ذکر ہے۔ مقام رسول صفحہ 633 میں بھی اسی طرح ہے۔ بلکہ شیخ محقق محدث دہلوی علیہ الرحمہ شرح فتوح الغیب صفحہ 356 میں فرماتے ہیں:

وبعضے مردم کہ در بعضے محل آیۃ انک لا تهدی من احببت خوانند، برایں مستمند ضعیف چناں گراں آید، گستاخی در حضرت رسول برروئے مبارک او کردہ باشد، چرا انک لتهدی الیٰ صراط مستقیم نخوانند، نعوذ بالله من سوء الادب۔

شیخ محقق فرماتے ہیں بعض لوگ کچھ مقامات پر آیت انک لاتهدی من

احببــــت پڑھتے ہیں، اس کمزور مسکین (اپنی ذات مراد لیتے ہیں) پراس طرح ناگوار گزرتا ہے کہ گویا نبی کریم ﷺ کے رُوبروآپ ﷺ کی گستاخی کی جارہی ہو، آخروہ لوگ یہ آیت کیوں نہیں پڑھتے ''وانک لتھــدی الــیٰ صــراط مستـــقیـــم'' کہ اے حبیب آپ یقیناً سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔اللہ کریم بے ادبی سے بچائے (آمین)

دو حدیثیں ملاحظہ ہوں۔کنزالعمال صفحہ 70، صفحہ 38 جلد 12 آپ علیہ السلام نے ابوطالب کے متعلق بعداز وصال ارشادفرمایا:

کل الخیر ارجوا من ربی'' میں (ان کے لیے) ہر بھائی کی امید اپنے رب سے رکھتا ہوں۔

کنزالعمال صفحہ 70 جلد 12 پر یہ بھی ہے کہ جنازے پر ارشاد فرمایا ''جزیت خیرا'' کہ اے ابوطالب تم کو جزائے خیر ملے۔

موضوع کی اہمیت کی وجہ سے بات طویل ہوگئی۔ زیادہ دیر قارئین اور مصنف کے درمیان حائل رہنا مناسب نہیں ۔دعا ہے اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ مولانا تابش قصوری صاحب کی مساعی جمیلہ کو بارآور فرمائے۔آمین ثم آمین

صاحبزادہ مفتی محمد لطف اللہ نوری اشرفی بصیر پور

مہتمم جامعہ بدرالعلوم دیپالپور روڈ، بصیر پور شریف (اوکاڑہ)

زینتُ المحافل

ترجمہ

نزہتُ المجالس

کامل دو جلد

تصنیف

امام عبد الرحمٰن بن عبد السلام

الشافی الصفوری رحمۃ اللہ تعالیٰ (۹۰۰ھ)

ترجمہ

علامہ محمد منشاء تابش الحنفی القصوری

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مکتبہ اشرفیہ

بازار مسجد مہاجرین مریدکے ضلع شیخوپورہ

0300-8002585, 0345-4680027